وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ
اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 07	شعبان/رمضان 1434ھ	جولائی 2013ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
حافظ مختار احمد گوندل
پروفیسر خلیل الرحمٰن
محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین وگرافکس: سعد حسن خان
قانونی مشاورت:
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ الدھر	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اسلام اور سائنس (3)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	10
5	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں 5	انجینئر مختار فاروقی	27
6	رمضان المبارک کا مقصد؟	انجینئر عبداللہ اسماعیل	37
7	انسانی شخصیت کے لیے روزے کے فوائد و ثمرات	مفتی عطاء الرحمٰن	55
8	اشیائے صرف میں سور کی چربی کا استعمال	محمد فاروق قریشی	61
	مدیر کے نام		
	یاجوج ماجوج نمبر پر عالمی ترجمان القرآن کا تبصرہ		

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ الدھر آیات 31-19﴾

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۚ

اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے، جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر آئیں گے

اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُـؤۡلُـؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۚ

جن پر تم نگاہ ڈالو تو خیال کرو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں

وَ اِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّ مُلۡكًا كَبِيۡرًا ۚ

اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اُٹھاؤ گے کثرت سے نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے

عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ

ان (کے بدنوں) پر دیبائے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے

وَّ حُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ۚ

اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے

اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ مشروب پلائے گا

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَـكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۚ

یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا ۝

(اے محمدﷺ) ہم نے تم پر قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ۝

تو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق صبر کیے رہو

اوران لوگوں میں سے کسی بدعمل اورناشکرے کا کہنا نہ مانو

وَ اذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۝

اور صبح وشام اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو

وَ مِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَ سَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ۝

اور رات کو اس کے آگے سجدے کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو لمبی رات تک

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ۝

یہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور (قیامت کے) بھاری دن کو پس پشت چھوڑ دیتے ہیں

نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ۝

ہم نے ہی ان کو پیدا کیا اور ان کے مفاصل کو مضبوط بنایا

اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے انہی کی طرح اور لوگ لے آئیں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ۝

یہ تو نصیحت ہے جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝

بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ

جس کو چاہتا ہے اپنے رحمت میں داخل کرتا ہے

وَ الظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝

اور ظالموں کے لئے اس نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے صدق اللہ العظیم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِبْدَأ بِمَنْ تعُولُ

"(اپنی کمائی میں سے) پہلے ان پر خرچ کر جو تیرے اہل وعیال ہیں" (عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ)

أَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰہِ الْأَلَدُّ الخَصِمُ

اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت اس سے ہے جو سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

(عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

اُبْغُونِی الضُّعَفَاءَ، فِاِنَّما تُرْزَقُونَ وَ تُنْصَرُونَ بِضُعفائِکُمْ

میرے لیے ضعیف لوگ تلاش کرو (یعنی اُن پر احسان کر کے میری رضا تلاش کرو)، دراصل تمھیں تمہارے ضعیفوں کے سبب ہی رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

الجَامعُ الصَّغِیر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

حرف آرزو

انجینئر مختار فاروقی

ماہِ صیام کی آمد آمد ہے۔ جب تک یہ شمارہ قارئین کی نگاہوں سے گزرے گا یہ برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہوگا۔ ایک عرصہ سے اُمت کے لئے اب یہ مہینہ ایک معمول کا مہینہ ہے۔ کبھی یہ ماہِ مبارک خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا تھا اور اس ماہ کی ریاضتوں سے سرخرو ہوکر جب کوئی مسلمان دوبارہ اپنے مشاغل کی طرف لوٹتا تھا تو وہ ایک بدلا ہوا انسان ہوتا تھا اور معاشرے میں ماہ صیام کی برکتیں مہینوں محسوس کی جاتی تھیں کہ ابھی رمضان المبارک کا مہینہ گزرا ہے۔ مگر اب یہ مہینہ آتا ہے اور اس کے معمولات دن کا روزہ اور رات کا قیام (تراویح) کچھ لوگ اپنا لیتے ہیں بلکہ معاشرے کے مختلف طبقات (SECTIONS) نے اس ماہ کی فضیلتیں حاصل کرنے کا اپنا ایک پروگرام بنالیا ہے اور وہ اس طرح کی 'معمول' کی مصروفیات میں لگ جاتے ہیں۔ کوئی بنیادی تبدیلی معاشرے کے جسد میں پیدا نہیں ہوتی کہ جسے مثبت تبدیلی کہا جاسکے۔ کوئی پائیدار تبدیلی اس ماہ مبارک کے بعد محسوس نہیں کی جاسکتی کہ کہا جاسکے کہ یہ تبدیلی اس مہینے کی برکات کے باعث معاشرے میں آئی ہے۔ معاشرے کا رنگ وہی قائم رہتا ہے۔

اس ماہ صیام میں ہمارے معاشرے کے مختلف طبقات کی مصروفیات کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے ــــــ

- کثیر تعداد میں مسلمان اس ماہ مساجد کا رُخ کرتے ہیں اور ان کی رونق و آبادی کا سبب

بنتے ہیں ان میں اکثر چند دنوں میں ہی ہمت ہار جاتے ہیں کچھ رمضان المبارک کا پہلا حصہ اور آخری حصہ مسجدوں میں حاضری دے کر مطمئن ہوجاتے ہیں ان نئے آنے والوں میں قلیل تعداد میں لوگ پورا رمضان المبارک مسجد میں حاضری دیتے ہیں۔

- ایک تاجر پیشہ طبقہ ہے بازار میں کھلے یا مسجد میں چند دنوں میں تراویح میں ختم قرآن مجید کر کے پھر پورا ماہ رات دن کاروبار میں مگن رہتا ہے۔
- ایک طبقہ تراویح کی نماز کا اہتمام کرتا ہے مگر قرآن سمجھنے کی صلاحیت سے محرومی کی وجہ سے قرآن مجید کا اصل پیغام ان تک نہیں پہنچ پاتا۔
- ایک طبقہ کمانے میں تو کسی اصول ضابطے کا قائل نہیں ہے مگر لاری اڈوں مساجد اور بازاروں میں افطاریوں کا کھلے دل سے اہتمام کرتے ہیں۔جس میں لوگ بلالحاظ کہ روزہ دار ہیں یا نہیں شام کو افطاری میں شریک ہوجاتے ہیں۔
- بزرگ تاجر اور کاروباری حضرات اس ماہ عمرے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور حرمین شریفین میں بھی افطاری اور سحری کا اہتمام کرتے ہیں۔
- حلقہ ہائے تصوّف سے منسلک لوگ اپنے اپنے حلقہ ارادت میں خصوصی محافل اور تراویح کا اہتمام کر کے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں۔
- ایک طبقہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں افطاریوں کے پروگرام ترتیب دیتا ہے جس میں دین کے بنیادی احکام اور حکمتیں بتا کر لوگوں کو توبہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔
- اوسط درجے کے آسودہ حال مسلمان بھی مساجد میں روزہ داروں کے لئے خصوصی اہتمام سے افطاری کا بندوبست کرتے ہیں۔ بالخصوص بچوں اور نوعمر روزہ داروں کی دلجوئی کا سامان کرتے ہیں۔
- ایک طبقہ اب پورے ملک کے اہم شہروں میں تراویح کے ساتھ (یا بعد) ترجمے کا اہتمام کرتے ہیں جس سے شرکاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا علم ہوتا ہے اور عمل کا جذبہ ہوتا ہے۔

ان تمام سرگرمیوں سے ایسے مسلمانوں میں بالعموم یہ تاثر پھیل جاتا ہے کہ ہم نے روزہ

کا اپنی حد تک اہتمام کر دیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے اور جنت عطا فرمائے گا۔

ایک طرف مسلمان ماہ صیام میں ان سرگرمیوں کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں اور دوسری طرف اُمت کی حالت زار ہے۔ مسلمانوں پر کشمیر میں ظلم، فلسطین میں ظلم، میانمار (برما) میں ظلم، بھارت میں ظلم غرض جہاں مسلم آباد ہیں وہاں ظلم ہو رہا ہے عراق، شام اور پاکستان بھی اس میں شامل ہے۔

گزشتہ نصف صدی سے رمضان المبارک اسی طرح آتا ہے اور مسلمان اس سے فیض یاب ہوتے ہیں مگر اُمت مسلمہ کے مسائل میں کوئی کمی نہیں آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو جذبہ خالص عطا فرمائے اور ایمان حقیقی سے بہرہ ور کرے تا کہ ہر مسلمان اپنے دینی فرائض کا صحیح شعور و ادراک کر کے ان کی ادائیگی کی سبیل پیدا کر سکے۔

دنیا میں اُمت مسلمہ کے مسائل کا حل نظامِ خلافت کے قیام میں ہے جس میں کفالت عامہ کا تصور نمایاں ہے جس سے مسلم خواص و عوام دونوں اپنے رب کی رضا کے حصول میں کوشاں ہوں گے اور اس کو پا لیں گے۔

اُمت مسلمہ کے مظلوم طبقات بالخصوص برما، فلسطین، کشمیر، سوڈان اور چیچنیا کے مسلمان منتظر ہیں کہ یا اللہ ایسا رمضان المبارک کب آئے گا کہ جس کی 'عید' عید آزاداں ہو اور جس کی عید 2ھ کے رمضان المبارک جیسی ہو کہ جس سے مسلمانوں کی قوت و ہیبت کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے یہ کوئی بعید نہیں ہے اس کا وعدہ بھی ہے۔ مگر ـــــــ کمی ہماری طرف سے ہے اگر ہم مسلمان بحیثیت مسلمان اپنے حصہ کا کام (فرض ادا) کرنے کا فیصلہ کر لیں اور دین کا جھنڈا اُٹھا لیں تو امت مسلمہ کے دنیا و آخرت کے مسائل کا حل زیادہ دور نہیں ہوگا۔ آمین

کل جہاں معمور ہو گا نغمہ توحید سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا، وَ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوٰى لِیْ مِنْهَا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا، چنانچہ میں نے اسکے تمام مشارق و مغارب دیکھے اور یقیناً میری امت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لیے لپیٹا گیا!''

(یعنی اہل اسلام کا اقتدار کرۂ ارض کے کونے کونے پر قائم ہوگا) (مسلم، عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

اسلام اور سائنس

سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

'اسلام اور سائنس' کو ہم یہاں اقبال اکادمی لاہور کی اجازت سے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

ایک مثال سے قرآن کے فلسفۂ سائنس کی وضاحت

قرآن کا یہ نقطۂ نظر کہ کائنات جو مصنوع اور مخلوق ہے اور خدا جو اس کا صانع اور خالق ہے ایک دوسرے کی روشنی میں پوری طرح سمجھے جا سکتے ہیں کس قدر معقول ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکے گا۔

فرض کیجیے کہ کسی اور دنیا کا رہنے والا ایک سائنسدان دن کے وقت زمین پر کسی ایسی جگہ جہاں سورج نصف النہار پر ہے یکا یک خلا سے نازل ہو جاتا ہے اور سب سے پہلے اسے دھوپ میں پڑا ہوا ایک برقی لیمپ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے جس کا نچلا حصہ لوہے کا بنا ہوا ہے، درمیانی حصہ کی ساخت شیشم کی خوبصورت کا مدار لکڑی سے ہے اور اوپر ایک رنگین خوبصورت فانوس کے اندر شیشے کا قمقمہ لگا ہوا ہے۔ وہ اتفاقاً لیمپ کا بٹن دباتا ہے اور لیمپ روشن ہو جاتا ہے۔ سائنسدان برقی رُو اور اس کے استعمال سے آشنا نہیں اور جس دنیا سے آیا ہے وہاں کے حالات یہ ہیں کہ نہ تو وہاں کبھی اندھیرا ہوا ہے کہ کسی لیمپ کی ضرورت ہو، نہ وہاں کوئی دھات موجود ہے، نہ لکڑی ہے اور نہ شیشہ اور نہ ربڑ اور نہ کوئی اور چیز جو ایک خوبصورت ٹیبل لیمپ کی ساخت میں کام

آتی ہے۔اب سائنسدان لیمپ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے کیسے وجود میں آئی ہے اوراس کا مقصد کیا ہے؟ لہٰذا وہ خوب غور وفکر کر کے اس کے متعلق اپنے مشاہدات کے نتائج قلمبند کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایک پتھر اور چٹان کی طرح یہ لیمپ بھی ایک قدرتی چیز ہے، اسے معلوم نہیں کہ یہ اس کی مانند کسی سائنسدان نے کسی خاص مقصد کے لئے بنائی ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنسدان کی سابقہ معلومات اس قدر نا کافی ہیں کہ وہ اپنی ذہانت کے باوجود فقط اپنے مشاہدات کی بنا پر لیمپ کے روشن ہونے اور بجھنے کے اسباب اور ذرائع کے متعلق، اس کی ساخت کے عمل اور طریق کے متعلق، اس کے قدرتی مقاصد اور فوائد کے متعلق اگر چہ اپنی طرف سے نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات قائم کرے گا لیکن وہ کرۂ ارض کے رہنے والے ایک تعلیم یافتہ انسان کے نزدیک نہایت ہی مضحکہ خیز ہوں گے۔

فرض کیجیے کہ لیمپ کو شروع سے لے کر آخر تک اپنے استعمال کے لئے ایک ہی شخص نے بنایا ہے اوران خام اشیاء کی بہم رسائی سے لے کر جو اس کی ساخت میں کام آئی ہیں اس کی آخری حالت تک تخلیق کے تمام مرحلوں سے اسی نے گزار کر اسے مکمل کیا ہے۔ پھر فرض کیجیے کہ ایک فرشتۂ رحمت اس کی پریشانی کو دیکھ کر اس کے پاس آتا ہے اوراس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دے دیتا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چیز خود بخود بنی ہوئی نہیں بلکہ ایک خاص شخص نے ایک خاص غرض کے لئے بنائی ہے۔ نیز اگر چہ اس کاغذ میں لیمپ کے متعلق براہِ راست کچھ لکھا ہوا نہیں کیونکہ لیمپ تو اس خلائی سائنسدان کے سامنے پڑا ہے لیکن لیمپ ساز کی قابلیتوں اور خوبیوں کی ایک مفصل اور مکمل فہرست اس کے اندر موجود ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر تم چاہو تو اس لیمپ کے اندر لیمپ ساز کی ان قابلیتوں اور خوبیوں کا مشاہدہ کر سکتے ہو۔ اس کاغذ کے مطالعہ سے خلائی سائنسدان کے ذہن میں لیمپ ساز کی شخصیت کا اوراس کی صفات اور کمالات کا پورا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ لیمپ بنانے والا علومِ ریاضیات، طبعیات، کیمیا، زراعت اورفنونِ صنعت سے پوری طرح بہرہ ور ہے اور حسن وزیبائی کا ایک ذوق بھی رکھتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ربڑ کے درخت لگا سکتا ہے جن میں سے ایک خاص قسم کا دودھ نکلتا ہے اور وہ اس دودھ سے ربڑ تیار کر سکتا ہے یا مصنوعی ترکیبی (SYNTHETIC) ربڑ بنا سکتا ہے۔ زمین کو کھود کر

خام تانبا نکال سکتا ہے اسے صاف کر کے خالص تانبے کا تار بنا سکتا ہے اور اس تار کے گرد ربڑ چڑھا سکتا ہے، خام لوہے کو زمین سے نکال کر صاف کر سکتا ہے اور اسے پگھلا کر حسب ضرورت خوبصورت سانچوں میں ڈھال سکتا ہے۔ شیشم کے درخت لگا سکتا ہے۔ ان درختوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے اور ان ٹکڑوں سے ضرورت کی خوبصورت چیزیں بنا سکتا ہے اور ان پر نقش ونگار کھود سکتا ہے مٹی اور ریت سے شیشے کے اجزاء فراہم کر سکتا ہے ان اجزاء کو پگھلا کر شیشے کے برقی قمقموں کی صورت میں ڈھال سکتا ہے۔ ڈائنمو ایسی ایک پیچ دار مشین بنا کر پانی کے بہاؤ کی قوت سے بجلی کی رو تیار کر سکتا ہے اور وہ اس رو کی خاصیات سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے ربڑ میں لپٹے ہوئے تانبے کے تاروں میں کہیں سے کہیں لے جا سکتا ہے اور اسے اپنے ضبط میں رکھ سکتا ہے اور اس سے حسب ضرورت مختلف کام لے سکتا ہے جس میں سے ایک برقی قمقمے کو روشن کرنے کا کام بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ لیمپ ساز کی ان خوبیوں اور قابلیتوں کے علم سے اس خلائی سائنسدان کے لئے برقی ٹیبل لیمپ کا عقدہ کھل جائے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس کے لئے نہایت ہی آسان ہو گیا ہے کہ لیمپ کے روشن ہونے اور بجھنے کے ذرائع اور اسباب کے متعلق اس کی ساخت کے عمل اور طریق کے متعلق اس کے مقاصد اور فوائد کے متعلق معقول اور صحیح نظریات قائم کر سکے پھر وہ یہ بھی محسوس کرے گا کہ لیمپ ساز کی صفات اور کمالات کے متعلق جو نظری واقفیت اسے بہم پہنچائی گئی ہے وہ لیمپ کے علم کی روشنی میں بہت واضح ہو گئی ہے اور ایک ٹھوس اور مرئی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اور اس کے علم کے دونوں شعبے لیمپ کا علم اور لیمپ ساز کا علم ایک دوسرے پر روشنی ڈال رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مکمل کر رہے ہیں وہ محسوس کرے گا کہ لیمپ ساز کو جاننے سے خود لیمپ کے متعلق اس کی سابقہ معلومات میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے جو وافر اور گرانقدر ہے اور جو اسے فقط لیمپ کو دیکھنے سے کبھی حاصل نہ ہو سکتا۔ پھر اسے صاف طور پر نظر آ جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ لیمپ، لیمپ ساز کی صفات اور کمالات ہی کا ایک مظہر ہے اور ان کمالات اور صفات کا علم لیمپ ہی کے علم کا ایک حصہ ہے اور اس سے الگ نہیں۔

لیکن فرض کیا کہ خلائی سائنسدان اس فرشتہ رحمت کے اصرار کے باوجود کاغذ کو پڑھنے کے بغیر یہ کہہ کر پھینک دیتا ہے کہ میں اپنے مشاہدات میں کسی بیرونی مداخلت کو گوارا نہیں کرتا، تو

ظاہر کہ اس صورت میں وہ برسوں کی ٹھوکروں کے بعد بھی لیمپ کو پوری طرح سے نہ سمجھ سکے گا اور لیمپ کی حقیقت کے متعلق اس کے مشاہدات کے نتائج ہمیشہ مضحکہ خیز رہیں گے۔

عصر جدید کے مغربی سائنسدان کی غلطی

یہی حال دورِ حاضر کے مغربی سائنسدان کا ہے کہ وہ کائنات کو اس کے خالق کی صفات کے علم کے بغیر فقط اپنے مشاہدات کے بل بوتے پر سمجھنا چاہتا ہے اور اپنی تحقیقات کے دوران میں اس بات سے قطع نظر کرتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور اس کی صفاتِ خالقیت و ربوبیت اس کی اور اس کے اندر کی ہر چیز کی ماہیت کو معین کرتی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا خدا کی صفات کو کائنات سے الگ کرنے کے بعد اس کا سچا سائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن ہی نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ کپڑے کا جو تعلق کپڑے کے تار و پود سے ہے وہی کائنات کا تعلق خدا کی صفات سے ہے۔ آج بدقسمتی سے اس کا مسلمان نقال بھی ایسا ہی کر رہا ہے۔ اس کو بھی اپنے مغربی استاد کی راہ نمائی میں مظاہر قدرت (جو سائنسدان کے مشاہدہ اور مطالعہ کا موضوع ہیں) کے اندر خدا کا نشان نہیں ملتا حالانکہ اسے بتایا گیا تھا کہ مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات خالقیت و ربوبیت اور کارسازی اور حکمت اور قدرت سموئی ہوئی ہیں۔ اور اگر مظاہر قدرت کی کوئی حیثیت ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ آیاتُ اللہ ہیں۔ ان کی ابتداء اور انتہا خدا ہے اور ان کا ظاہر اور باطن خدا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ

''خدا ہی اس کائنات کی ابتداء اور انتہا اور ظاہر و باطن ہے''۔

قدیم سائنسدان کا زاویہ نگاہ

لیکن ان مسلمان سائنسدانوں کا زاویۂ نگاہ، جنہوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اور جو آج کے مسلمان سائنسدان کے مغربی استادوں کے بھی استاد تھے، آج کے مسلمان سائنسدان سے مختلف تھا۔ وہ خدا کو جو کائنات کا صانع اور خالق ہے اور کائنات کو جو اس کی مصنوع اور مخلوق ہے ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے تھے، ان کے مشاہدہ و مطالعہ قدرت میں سائنسی علوم کی تحقیق و تدوین میں خدا کی خالقیت و ربوبیت کا عقیدہ بطور مدار و

محور کے تھا۔ وہ دل سے مسلمان تھے لہٰذا ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح سے خدا روح و روان کائنات ہے اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کی روح و رواں بھی ہے۔ وہ کائنات کا مطالعہ اس لئے کرتے تھے کہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اعمال کو سمجھ کر خدا کی صفات کو بہتر طریق سے جانیں اور پہچانیں۔ اور ان کے نزدیک خدا کا عقیدہ ایک روشنی تھا جس کے بغیر یہ مطالعہ ناممکن بھی تھا اور بے معنی اور بے سود بھی۔ انہوں نے دورِ حاضر کے بعض مسلمان سائنسدانوں کی طرح خدا کے عقیدہ کو اپنے سائنسی تجزیہ اور تحقیق کے لئے زیرِ غور رکھا ہوا نہیں تھا کہ جب سائنس اسے قبول کرلے گی تو وہ بھی اسے قبول کرلیں گے۔ بلکہ ان کے نزدیک سائنسی تحقیق کے لئے اس عقیدے سے ہٹ کر نہ کوئی راستہ تھا اور نہ منزل۔ ان کے نزدیک خدا کی وحی کا عطا کیا ہوا علم ان کے حواس کے علم سے کہیں زیادہ بلند اور زیادہ یقینی تھا۔ لہٰذا ان کے دل میں اس بات کا خیال تک بھی نہ آ سکتا تھا کہ علم حواس کسی درجہ میں بھی علم وحی کا محک و معیار قرار پا سکتا ہے یا علم وحی کی تشریح اور تفسیر کے علاوہ کسی اور حیثیت سے اپنا کوئی مقام یا وزن رکھ سکتا ہے۔

سارٹن کا عذر

یہی وجہ ہے کہ "تاریخِ سائنس کا تعارف" (INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE) کا مغربی مصنف سارٹن (SARTON) اس بات پر مجبور ہوا ہے کہ ہر دور کے مسلمان سائنسدانوں کے سائنسی کارناموں کا ذکر کرتے وقت ان کے مذہبی معتقدات کا ذکر بھی کرے۔ تاریخ سائنس کے مصنف کی حیثیت سے اس کا یہ اقدام علمی لادینیت اور افتراق مذہب اور سائنس کے اس دور میں یقیناً مشکل سے ہی سمجھ میں آ سکتا تھا لہٰذا وہ اپنے قارئین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کا عذر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "وہ مسلمان بھی جو قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے اس بات پر متفق تھے کہ وہ خود خدا کا کلام ہے لہٰذا ان کا خیال تھا کہ وہ علم جو ہم محض اپنے غلط بین حواس یا اپنی محدود ذہنی قوتوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں لازماً ناقابل اعتماد اور کمزور ہے اور قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ قطعی طور پر صحیح اور یقینی ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کی سائنس کو اس وقت تک صحیح طور پر کیسے سمجھ سکتے ہیں جب تک ہم اس

بات کو پوری طرح سے نہ سمجھ لیں کہ وہ قرآن کے محور کے گرد گھومتی ہے......''

''قرونِ وسطیٰ میں (جب سائنس کے میدان میں صرف مسلمان ہی پیش پیش تھے) یہ نقطہ نظر عام تھا کہ مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف سائنس کا مدار و محور ہے بلکہ مذہب کی قوت بھی ہے لہٰذا مذہب اور سائنس ناقابل تفریق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھ نہیں سکتے یہ حقیقت ہے کہ ہماری یہ تحقیق منصفانہ نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس کی بنیاد ''علم مثبت'' کی اپنی تعریف پر رکھنے کی بجائے خود ان لوگوں کی تعریف پر نہ رکھیں جن کی سائنس کی تاریخ ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ اب جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان لوگوں کی نگاہ میں مذہب کی عقلی توجیہ نہ صرف علم مثبت تھا بلکہ علم مثبت سے بھی کوئی بالاتر علم تھا ان لوگوں کے فکر کا مرکز (یعنی خدا کا عقیدہ) ہمارے مرکز فکر سے یکسر مختلف تھا۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان ہی سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھے اور سائنسی علوم کی بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھی تھی تو پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ انہوں نے سائنس کے میدان میں نہ صرف اپنی قائدانہ حیثیت کو کھو دیا بلکہ عیسائی دنیا کے ہم دوش بھی نہ رہے اور آخر کار سائنس ہی میں ان کے نقال اور مقلد بن گئے اور پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ عیسائی دنیا نے خدا کے عقیدے کو جو مسلمانوں کی قیادتِ سائنس کے زمانے میں سائنسی علوم کا مدار و محور تھا نہ صرف سائنسی علوم سے الگ کر دیا بلکہ اسے سائنس سے منافی خیال کرنے لگے اور آج مسلمان بھی ان کی نقل اور تقلید میں ایسا ہی کر رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی قوم کی علمی ترقیوں کا باعث اس کی پر امن اور آزادانہ جستجوئے صداقت ہے۔ ہر قوم علم کے میدان میں صرف اسی وقت تک ترقی کر سکتی ہے جب تک وہ صداقت کی جستجو کے لئے یعنی اس صداقت کی جستجو کے لئے جسے وہ خود صداقت سمجھتی ہے، آزاد ہو اور اس کی یہ آزادی امن و امان سے ہمکنار ہو، جونہی کہ اس کی یہ آزادی ختم ہو جاتی ہے یا خطرہ میں پڑ جاتی ہے اس کی جستجوئے صداقت اور تحقیقِ علمی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسی حالت میں یا تو وہ کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے جس سے اس کی زندگی اس صداقت کی جستجو کے لئے وقف

ہوجاتی ہے جسے یہ دوسری قوم صداقت سمجھتی ہے اور یا پھر وہ اپنی آزادی کھو دینے کی فکر میں مبتلا ہوجاتی ہے اور اس کی حفاظت کی تگ و دو میں لگ جاتی ہے۔غرناطہ اور بغداد کی تباہی نے مسلمانوں کی صدیوں کی علمی تحقیق وتجسّس کی روایات کوختم کر دیا تھااوراس کے بعدان کو پھر پر امن آزادی کا ایسا طویل دور نصیب نہ ہوسکا جس سے وہ اس قابل ہو جاتے کہ ان روایات کو از سر نو اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ زندہ کرسکیں۔

مغرب میں خدااور سائنس کے افتراق کا بنیادی سبب عیسائیت کی تعلیم ہے

یورپ میں سائنس اور عقیدۂ خدا کے الگ الگ ہو جانے کی بڑی اور بنیادی وجہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔جب سائنس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کرعیسائیوں کے ہاتھوں میں آئی تو کچھ عرصے کے لئے خدا کا عقیدہ بدستور سائنس کا مرکز بنا رہا لیکن چونکہ دین اور دنیا کا اتحاد سائنس کے دائرہ میں بلکہ انسانی زندگی کے کسی دائرہ میں بھی عیسائیت کی سرشت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔اس لئے ایسا وقت آنا ضروری تھا جب عیسائی دنیا سائنس کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو سائنس سے الگ کر دیتی۔عیسائیت میں دین اور دنیا ایک دوسرے سے الگ تھلگ بلکہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔جس طرح سے دینی سعادتیں ترکِ دنیا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں اسی طرح دنیوی کامیابیاں بھی مذہب کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فرما کر کہ ''جو کچھ قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو کچھ خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو'' نظری طور پر دین کو دنیا سے الگ کر دیا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ساری عملی زندگی بھی دین اور دنیا کے اس افتراق کی آئینہ دار تھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو خدا کے سچے رسول تھے،ایک خاص مقصد کے لئے آئے تھے اور وہ یہ تھا کہ دین موسوی کے خاص خاص پہلوؤں پر زور دیں اور بنی اسرائیل کو ریاکاری سے جو ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی نجات دلاکر اخلاص اور للّٰہیت پر قائم کریں۔اپنی پوری عملی زندگی میں دین اور دنیا کو جمع کرنا ان کا کام نہیں تھا کیونکہ یہ عظمت اپنے ووقت پر خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آنے والی تھی۔

ریورینڈ مارٹن ڈی- آرکی (Rev.Martin D' Arcy) اپنی کتاب اشتراکیت اور عیسائیت (COMMUNISM AND CHRISTANITY) میں سچ کہتا ہے:

’’لیکن ہم اس بات کو جتنی دفعہ بار بار کہیں کم ہے کہ عیسائیت اس لئے وجود میں نہیں آئی تھی کہ کسی قوم یا کسی اعلیٰ قوم کو دنیوی فارغ البالی کا راستہ بتائے۔ یہی بنی اسرائیل کی غلطی تھی اور جب لوگوں نے چاہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بادشاہ بنا دیں تو وہ ان سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گئے‘‘

عیسائیت میں دین اور دنیا کی علیحدگی ایک اساسی عقیدہ ہے

عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اگلی دنیا کی راحتیں اس دنیا کی راحتوں کو ترک کیے بغیر حاصل نہیں کرسکتا۔ مذہب اور سائنس کا آپس میں کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذہب انسان کی دنیوی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اس کا مقصد انسان کی اُخروی زندگی کو بہتر بنانا ہے۔اس کے برعکس علم کائنات اور سائنس اس دنیا کو بہتر بنانے کے لئے کام آتے ہیں۔ مذہب غیر عقلی اعتقادات کا ایک مجموعہ ہے اور ایک ایسی دنیا کے متعلق رائے زنی کرتا ہے جو ماورائے حواس ہے لیکن سائنس کے نتائج عقل اور مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہیں۔ لہٰذا اگر ہم خدا کے عقیدہ کو اپنی علمی بحثوں میں جگہ دیں گے تو ہماری علمی بحثیں عقلیت کے اعتبار سے گر جائیں گی اور مذہب کے دائرہ میں، جو تعصب اور نا معقولیت اور عقل اور علم کی محکومی پر زور دیتا ہے، داخل ہو جائیں گے۔ دیکھ لیجیے کہ یہ نقطۂ نظر اسلام کے نقطۂ نظر سے، جو کائنات پر غور و فکر کرنے اور اپنے قوائے دید و شنید اور فہم و فراست کو کام میں لانے پر زور دیتا ہے، کس قدر مختلف ہے۔ ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائیت کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں، خوب غور سے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ جو لوگ آنکھوں سے دیکھتے نہیں، کانوں سے سنتے نہیں اور دل سے سوچتے نہیں ان سے باز پرس کی جائے گی اور ان کی سزا دوزخ ہے۔

کلیسا کی سائنس دشمنی اور عیسائیت کی مذہبی عدالتوں کے مظالم

عیسائیت میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت سے بے تعلق ہے بلکہ اس کا مخالف ہے اور اسلام میں اعتقاد، مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔ عیسائیت کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کلیسا نے سائنسی فکر کو جب بھی وہ اُبھرنے لگا بزور تمام دبا دینے کی کوشش کی۔ عیسائیوں

کی مذہبی عدالتوں نے سائنسدانوں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ یہ بات مسلم ہوگئی کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے اور سائنس کو اگر ترقی کرنا ہے تو اسے ہر حالت میں مذہب سے الگ رہنا چاہیے۔ سائنسدانوں کے دلوں میں یہ خوف راسخ ہو گیا کہ اگر انہوں نے خدا کو سائنس سے اور سائنس کو خدا سے جوڑنے کی کوشش کی تو وہ پھر مذہبی اداروں اور عدالتوں کے محاسبہ کی زد میں آجائیں گے اور وہ اور ان کی سائنس دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یورپ میں پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے خدا اور سائنس کے افتراق کو جسے عیسائیت نے جنم دیا تھا اور محکم کر دیا۔ کلیسا اور ریاست کے جھگڑوں نے اتنا طول کھینچا اور اتنی شدت اختیار کی کہ بالآخر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونا پڑا اور عیسائیت کی تعلیم کے عین مطابق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ مذہب کا سیاست سے کوئی علاقہ نہیں لیکن جب مذہب ایک دفعہ سیاست سے الگ کر دیا جائے تو پھر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ فرد یا جماعت کی زندگی کے کسی اہم شعبہ پر بھی اپنی گرفت قائم رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف فرد اور جماعت کی سیاسی زندگی مذہب سے الگ ہوگئی بلکہ ان کی قانونی، سماجی، اقتصادی، فوجی اور تعلیمی اور علمی زندگی کو بھی مذہب سے کوئی تعلق نہ رہا۔ کیسے ممکن تھا کہ مذہب جو ریاست کے کاروبار سے الگ کر دیا گیا تھا پھر اس کاروبار میں اسکول اور کالج اور یونیورسٹی کے چور دروازوں سے داخل کر لیا جاتا۔ سائنس اور علم سے خدا کے عقیدے کا اخراج جو اس طرح سے عمل میں آیا اگرچہ عیسائیت کے مزاج کا ایک تقاضا تھا جو بالآخر ایک سیاسی حادثہ کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوا تھا، تاہم کچھ عرصہ کے بعد یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ خود سائنس اور علم ہی کا ایک تقاضا ہے۔

اُنیسویں صدی کی طبعیات کی غلط فہمی

اس غلط فہمی کے ظہور کے لئے عیسائیت کی تعلیم اور کلیسا اور ریاست کی علیحدگی نے حالات پہلے ہی سازگار کر رکھے تھے لیکن جن خاص اسباب نے اسے جنم دیا ان میں سے ایک مؤثر سبب اُنیسویں صدی کے ماہرین طبعیات کا مادّی نظریہ تھا جس کے مطابق یہ سمجھا جاتا تھا کہ مادّہ کائنات کی آخری حقیقت ہے اور کائنات ایک مادّی مشین ہے جو اپنے قوانین سے خود بخود عمل کرتی ہے اور جس کے عمل میں خدا کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا اس صدی میں یہ خیال اور راسخ ہو گیا

کہ درحقیقت سائنس کا خدا یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

ڈارونزم کا زہر اور اس کی عالمگیر خریداری

لیکن جس شخص نے خدا اور مذہب کے خلاف عیسائیت کی علمی دنیا کے تعصب کو آخر کار ایک علمی اور عقلی نظریہ کا مقام اور ایک سائنسی حقیقت کا درجہ دیا وہ ایک ماہر حیاتیات چارلس ڈارون تھا جس نے سبب ارتقا کا ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ ڈارون نے انیسویں صدی کی علمی اور عقلی فضا میں پرورش پائی تھی اور وہ بحیثیت ایک سائنسدان کے اس دور کی جامد اور متحجر میکانیت اور مادیت کی پیداوار تھا جس میں عیسائیت کے خلاف سائنسدانوں کا ردّ عمل اپنی پوری شدت پر تھا۔ لہٰذا اس نے نوعِ انسانی کے ظہور کا سبب یہ بتایا کہ کائنات میں ایسی قوتیں کام کر رہی ہیں جن کا کوئی مقصد یا مدعا نہیں اور جس کو اپنے عمل کے نتائج اور عواقب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان قوتوں کو اس نے کشمکش حیات، قدرتی انتخاب اور بقائے اَصلح کے دلفریب نام دیے۔ اس کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ انسان عقل وخرد، ہوش وتمیز اور ضمیر اور تخیل ایسی خصوصیات کا مالک بن گیا ہے اور ان کی وجہ سے مذہب اور اخلاق اور سیاست اور تعلیم اور قانون اور جستجوئے علم و فن ایسے مشاغل میں مصروف ہوسکتا ہے۔ آج جو انسان ہے بالکل ممکن تھا کہ وہ انسان نہ ہوتا بلکہ گندی نالیوں میں رینگنے والا ایک کریہ المنظر جاندار ہوتا۔ اگرچہ یہ نظریہ بالخصوص حیاتیاتی ارتقا کے اسباب سے تعلق رکھتا تھا تاہم اس کے نتائج تمام مادّی، حیاتیاتی اور انسانی علوم پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔ ڈارون نے کہا تھا کہ میرا نظریہ بالقوہ ایک پورا فلسفہ کائنات ہے اور اس کا یہ کہنا صحیح تھا۔ ڈارون کا نظریہ ہر چیز کی تشریح اس طرح سے کرسکتا ہے کہ اگر کوئی روحانی یا آسمانی قوتیں اس کائنات میں کارفرما ہیں تو پھر بھی کائنات کے حقائق کی تشریح کے لئے ان کے ذکر کی کہیں ضرورت پیش نہیں آتی لہٰذا یہ نظریہ انیسویں صدی کی ذہنی اور علمی فضا کے ساتھ، جو مادّیت پسندی اور مذہب دشمنی سے معمور تھی، خوب ہی مطابقت رکھتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں کہ اسے ڈارون کے عہد کی علمی دنیا نے بالعموم قبول کرلیا اور یہ اس کے بعد سے لے کر آج تک بھی تمام سائنسی علوم کی ترقیوں کی نوعیت پر گہرے اثرات پیدا کرتا چلا آ رہا ہے۔ یہ اسی نظریہ کی نحوست کا اثر ہے کہ آج یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ہر مظہر قدرت جو طبعیاتی یا حیاتیاتی یا انسانی دنیا سے تعلق رکھتا ہے عمل ارتقا کا ایک اتفاقی

نتیجہ یہ ہےاور ہم اس کے ماضی کے قریبی حالات اور واقعات سے اس کی مکمل اور معقول تشریح کر سکتے ہیں۔

کورچشمی کی ایک بین مثال

ڈارون ایک پکا عیسائی تھا۔اس کے باوجود اسے عمل ارتقا کے اندر، جو خالق کائنات کی ربّ العالمینی کا ایک شاندار اور یقین افروز مظہر ہے، خدا کیوں نظر نہیں آیا اور کیوں اس کی بجائے بے شعور اور بے مقصد مادّی اور میکانکی قوتیں کام کرتی ہوئی نظر آئیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل خدا کے عقیدہ کے خلاف ایک علمی قسم کے تعصب سے معمور تھا اور یہ تعصب اس اروپائی نظریۂ علم کی پیداوار تھا جو یورپ کے مخصوص حالات اور واقعات اور خود تعلیم عیسائیت کے زیر اثر فروغ پا کر انیسویں صدی میں عام ہو چکا تھا کہ خدا کے عقیدہ کو سائنس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارون کے زمانہ میں عیسائی دنیا کے سائنسدان اس پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اسے ایک نعمت عظمیٰ سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے اور کتنی بڑی کورچشمی ہے جسے سائنس کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کائنات میں عمل ارتقا سے انسان جیسی ایک محیر العقول ہستی کا ظہور محض اتفاق ہے اور کسی خالق کائنات رب کی ربوبیت کی کارفرمائی نہیں۔ سچ یہ ہے کہ جب دل اندھے ہوں تو محض آنکھوں سے دیکھنے سے کائنات کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

فَاِنَّھَا لَاتَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ O

''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں''۔

خدا کے عقیدہ کے خلاف عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کا علمی تعصب لاعلاج ہے

وہ عملی اسباب جنھوں نے یورپ میں سائنسی لادینیت کے نامعقول عقیدہ کو ایک علمی تصور کا مقام دیا تھا، قریباً ختم ہو چکے ہیں۔مثلاً اب بعض چوٹی کے ماہرین طبعیات نے انیسویں صدی کے طبعیات کو ردّ کر کے یہ بتایا ہے کہ حقیقت کائنات مادّہ نہیں، بلکہ شعور ہے اور ڈارون کے

نظریۂ ارتقا کو برگساں (BERGSON) اور ڈریش (DRIESCH) ایسے نامور ماہرین حیاتیات نے محل نظر ٹھہرا کر اس کے بالمقابل نہایت ہی معقول اور مدلل نظریات پیش کیے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ارتقا کا باعث کوئی باشعور قوت ہے جو اپنے مقاصد کے لئے کائنات میں عمل پیرا ہے۔ تاہم خدا کے عقیدہ کے علمی مقام کے خلاف جس تعصب کا بیج گزشتہ صدیوں میں یورپ میں بویا گیا تھا اس کی بیخ کنی ابھی تک نہیں ہوسکی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور عیسائیت کی سرشت میں ہیں جس کا کائناتی نقطۂ نظر اہل یورپ کی زندگی میں سمویا ہوا ہے لہٰذا اہل یورپ کا اس سے نجات پانا بہت مشکل ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ شعور کو حقیقت کائنات کہنے والے مغربی ماہرین طبعیات اور ماہرین حیاتیات بھی اس کو خالق کائنات خدا کہنے سے گریز کرتے ہیں۔

سائنس اور خدا کے افتراق کے مہلک نتائج

عیسائی مغرب کا خدا کے عقیدہ کو سائنس سے خارج کر دینا عالم انسانیت کا ایک نہایت ہی المناک حادثہ ہے جو بظاہر نہایت ہی خاموش اور پُر امن اور بے ضرر تھا۔ لیکن نوعِ انسانی کی بے شمار قدیم وجدید مصیبتیں اور بدبختیاں اور بربادیاں اور تباہیاں ایسی ہیں کہ اگر ان کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا آخری اور بنیادی سبب یہی حادثہ نکلتا ہے۔ اسی کی وجہ سے نوعِ انسانی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے اور ہر ٹکڑے نے اپنا نسلی، یا لسانی، یا ثقافتی یا جغرافیائی بت پوجنے کے لئے کھڑا کر لیا ہے۔ اس کی وجہ سے قوموں کی زندگی باہمی رقابتوں اور مسابقتوں کا اکھاڑا بنی ہوئی ہے، اسی کی وجہ سے استعمار پرستی اور شہنشاہیت اور ان کی ملحقہ برائیاں انسانوں پر مسلط ہوتی رہی ہیں، اس کی وجہ سے انسانیت دو ہولناک عالمگیر جنگوں کی تباہ کاریوں کا سامنا کر چکی ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کے خطرہ سے دوچار ہے، اسی کی وجہ سے اشتراکیت کا خوفناک فتنہ کھڑا ہوا ہے، اسی کی وجہ سے دنیا بھر میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی جرم پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، اس کی وجہ سے دنیا بھر کے ملکوں میں خودکشی کرنے والوں اور دماغی ہسپتالوں میں اخل ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے، اسی نے علم کی تقدیس کو ختم کر کے اس سے محض مادّی منفعت طلبی کا ایک آلہ بنا دیا ہے، اسی کی وجہ سے طالب علموں کے دلوں سے پروفیسروں اور استادوں کا احترام رخصت ہو گیا ہے اور تعلیمی اداروں کے ضبط اور نظم کا سلسلہ ٹوٹ

کررہ گیا ہے،اس کی وجہ سے مادی اور حیاتیاتی سائنسوں کی ترقی کی رفتار متواتر سست ہوتی گئی ہے اورنفسیاتی اور انسانی سائنسوں کی ترقی مدت سے رُکی ہوئی پڑی ہے اور اسی کی وجہ سے مذاہب کے درمیان کی خلیجیں سمٹنے کی بجائے اور وسیع ہوتی جارہی ہیں۔

مسلمانوں کی افسوس ناک غلطی: عیسائی مغرب سائنسدانوں کی کورانہ تقلیداور اسلامی فلسفۂ علم کی ناقدردانی

یورپ کی علمی دنیا عیسائیت کے نقائص کی وجہ سے خدا کے عقیدہ کے خلاف علمی تعصب کی جس بدبختی کا شکار ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے حصہ میں نہ آسکتی تھی کیونکہ اسلام ان نقائص سے پاک ہے لیکن ہم نے اسلام کی تعلیمات کو اور اپنے آبائے اوّلین کی روایات کو بھلا کر اور یورپ کی کورانہ تقلید کو اپنا کر اسی سے حصہ لیا ہے۔

اے بعشقِ دیگراں دل باختہ
آبروئے خویش را نشناختہ (اقبال)

اسلام کی رُو سے خدا کا عقیدہ سائنس کی کلیداور بنیاد ہے

اسلام میں خدا کے عقیدے کا کوئی اختلاف سائنس سے نہیں بلکہ اسلام کی رُو سے خدا کا عقیدہ سائنس کی کلید ہے جس کے بغیر سائنس پوری طرح سائنس نہیں بن سکتی اور اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔اسلام انسان اور کائنات کا علم ہے۔خدا کا عقیدہ جو اسلام کی روح ہے کائنات کی روح بھی ہے۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡض

’’خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے‘‘

اور جس طرح سے وہ کائنات کی روح ہے اسی طرح سے وہ علم کائنات یا سائنس کی روح بھی ہے اور کائنات میں کائنات کے تینوں طبقے مادّہ (MATER) جاندار (LIFE) اور نفس انسانی (MIND) شامل ہیں۔خدا وہ قانون قوانین ہے جو مادّہ، جاندار اور انسان تینوں پر حاوی ہے اور جس کے سامنے تینوں سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی بادل ناخواستہ۔مادّہ اور

جاندار اور مؤمنین کی جماعت تو اس قانون پر اپنی رضا و رغبت سے عمل کرتے ہیں لیکن منکرین خدا اس بات پر بجبر و اکراہ عمل پیرا ہیں کیونکہ جب وہ سچے خدا کو نہیں مانتے تو انہیں مجبوراً کسی جھوٹے خدا کو خدا ماننا پڑتا ہے اور پھر اس جھوٹے خدا سے مایوس ہو کر اور دکھ اور نقصان اٹھا کر وہ زود یا بدیر سچے خدا کی طرف گھسٹتے ہوئے آتے ہیں۔ جو لوگ دین اسلام سے جس کی روح خدا کا عقیدہ ہے انحراف کرنا چاہتے ہیں خدا ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ مایوسی اور دُکھ اور نقصان اٹھانے کے بغیر تم ایسا نہیں کرسکو گے اور پھر بھی آخر کار اسی کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ کیونکہ اسلام کی روح تو وہ قانون ہے جس پر عمل کرنے لئے کائنات کی ہر چیز طوعاً و کرھًا مجبور ہے۔ پھر اس انحراف سے تمہیں فائدہ کیا ہوا۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ O (83-03)

”کیا وہ خدا کے دین کو (جو سچے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا ہے) چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ سچے خدا کے سامنے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سر تسلیم جھکائے ہوئے ہے خوشی سے یا بادل ناخواستہ۔ اور (آخر کار) وہ (بھی جو بادل ناخواستہ اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں بخوشی) اس کی طرف لوٹ آئیں گے (پھر اب تمہیں اس انحراف سے کیا حاصل ہے)“

اِس دور کے مسلمان سائنسدانوں اور فلسفیوں کا غلط نقطہ نظر

آج اگر ہم کسی اپنے مسلمان بھائی سے جو کہیں سائنس یا فلسفہ کے پروفیسر ہوں، یہ کہیں کہ آپ مادّی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سائنسوں میں ایسے نظریات کی تعلیم دے رہے ہیں یا ایسے نظریات کی بناء پر علمی تحقیقات کرا رہے ہیں جو عقلی اور علمی لحاظ سے خدا کے عقیدہ کے ساتھ متصادم ہوتے ہیں یا اس کو نظر انداز کرتے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے: ”صاحب میں بھی آپ کی طرح مسلمان ہوں۔ لیکن سائنس اور فلسفہ مذہب سے الگ چیزیں ہیں۔ ان کو خدا کے عقیدہ سے اور خدا کے عقیدہ کو ان سے الگ رہنا چاہیے۔ یہاں تک کہ سائنس اور فلسفہ بالآخر ان کو ثابت کردیں۔ سائنس مشاہدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ غیر جانبدارانہ استدلال پر مبنی ہے۔ پہلے سے طے

کیا ہوا اعتقاد ایک تعصب ہے جو علم کو رنگدار اور اس کی صحت و صفائی کو داغدار کر دیتا ہے۔ اگر ہم سائنس اور فلسفہ کی تحقیقات میں کسی عقیدہ سے آغاز کریں گے تو نہ ہماری سائنس سائنس رہے گی اور نہ ہمارا فلسفہ فلسفہ رہے گا۔ پھر یہ دونوں چیزیں مذہب ہی بن کر رہ جائیں گی۔ سائنس علت اور معلول کے پورے سلسلہ کو معلوم کرنا چاہتی ہے لیکن اگر آپ خدا کے عقیدہ کو سائنس کی بنیاد بنا دیں گے تو پھر چونکہ خدا ہر معلول کی علّت ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے ہر معلول کی علت کو پہلے ہی سے معلوم کر لیا ہے لہٰذا آپ کو سائنسی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔''

حقیقت وجود اور حقیقت علم کے کسی عقیدہ کے پس منظر کے بغیر سائنس ناممکن ہے

لیکن یہ جواب ازسرتا پا غلط ہے اور کئی مغالطوں سے پُر ہے۔ پہلا مغالطہ تو اس میں یہ ہے کہ سائنس یا فلسفہ کی کوئی ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے غیر جانبدار ہو۔ اُوپر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کی محتاج ہے اور ہمیشہ حقیقت کائنات اور حقیقت علم کے متعلق کسی اعتقاد کے گہوارہ میں پرورش پاتی ہے۔ کیا اس بات کے ثبوت کے طور پر یہ بات کافی نہیں کہ روس کی سائنس سرمایہ دار ممالک کی سائنس سے اور سرمایہ دار عیسائی ممالک کی سائنس روس کی سائنس سے مختلف ہے اور مختلف رکھی جاتی ہے، دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کی سائنس کو غلط قرار دیتا ہے۔ ان کے مختلف ہونے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دونوں کے پس منظر کے نظریات، جن کے زیر اثر ان کی نشو ونما ہوئی ہے، الگ الگ ہیں۔ دونوں فریق ایک ہی طرح کے مشاہدات سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے مطابق ہوتے ہیں کیونکہ کوئی فریق اپنی انسانی فطرت کے بے پناہ قوانین کی وجہ سے اپنے نظریہ کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ روس کی سائنس علی الاعلان اس عقیدہ سے آغاز کرتی ہے اور آخر تک اس پر قائم رہتی ہے کہ

> ''حقیقت کائنات مادّی ہے اور اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس

کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے مادّی تصور کی روشنی میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔''

یہ عقیدہ ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں، کیونکہ سائنسی مشاہدہ یا تجربہ سے ثابت شدہ نہیں اس مذہب کو روس والے جدلی مادیات (DIALECTICAL MATERIALISM) کا نام دیتے ہیں۔ سرمایہ دار عیسائی ملکوں کی سائنس اس بات کا اعتراف نہیں کرتی کہ وہ کسی عقیدہ سے آغاز کرتی ہے یا کسی عقیدہ پر مبنی ہے لیکن دراصل اس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ

''حقیقت کائنات مادّی ہو یا روحانی یا کچھ اور، وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں سوائے اِس کے جو کسی وقت خود سائنس ہی ثابت کر دے لہٰذا اگر ہم دونوں کی اس موجودہ بے تعلقی کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اگر ہم دونوں کی اس بے تعلقی کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے کسی تصور کی روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔''

یہ عقیدہ بھی ایک مذہب کا جزو ہے اور کوئی سائنسی حقیقت نہیں جو کسی تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہو۔ زمانہ حال کے منکرین نے اس مذہب کو سائنٹزم (SCIENTISM) کا نام دے کر دوسرے مذاہب سے ممیّز کیا ہے۔ (جاری ہے)

تنسیخ خلافت 28 رجب 1342ھ (3 مارچ 1924ء)
کے بعد آج تک احیائے خلافت کا خواب
شرمندہ تعبیر کیوں نہیں ہوسکا؟

انجینئر مختار فاروقی

01۔ تنسیخ خلافت کے روح فرسا واقعہ کے بعد پورے عالم اسلام میں صرف محکوم مسلمانانِ ہند نے تحریک بحالیٔ خلافت چلائی اور بقول ع 'لڑا دے ممولے کو شہباز سے' اسی جذبے کے تحت عالمی استعماری صہیونی قوت برطانیہ کے استبدادی ہتھکنڈوں کے باوجود محکوم مسلمانوں نے تخت برطانیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔اس کے بعد اس جذبے نے کئی روپ اختیار کئے اور الحمداللہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے ہر موقع پر 'حق' کا ساتھ دیا اور کامیابی حاصل کی۔تحریک پاکستان اسی جذبے کا اظہار تھا۔1953ء اور 1974ء کی تحریک ختم نبوت نے بھی اپنا مقصد حاصل کر لیا 1977ء کی تحریک نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی احیائے خلافت کے جذبے نے نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کا نعرہ اپنایا اور فرضی طور پر کامیابی حاصل کی۔اس کے بعد ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کئی موقعوں پر مسلمانوں نے حکمرانوں اور مغربی آقاؤں کی توقعات کے بالکل برعکس ردّ عمل ظاہر کیا اور کامیابیاں حاصل کیں۔

02۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی سالوں میں 31 علماء کرام کے متفقہ 22 نکات میں بھی خلافت کا ذکر تھا تو پھر طویل عرصہ گزرنے کے باوجود 'احیائے خلافت' عوامی نعرہ کیوں نہیں بن سکا۔حکومتوں کے آنے جانے اور حکمرانوں کے اقتدار سنبھالنے اور

معزول ہونے کو کئی دفعہ عوامی جذبات کو ابھارنے کا موضوع بنایا گیا ــــــ مگر افسوس کہ ایک متفق علیہ بات کے لئے آج تک عوامی سطح کی کوئی تحریک نہ چل سکی اور زیادہ قابل افسوس صورت حال یہ ہے کہ مستقبل قریب میں بھی 'احیائے خلافت' کی سوچ اور 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کی بحالی کے نعرہ کا ایک شعلہ جوالہ بن جانے کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا ہے۔

03۔ یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے اور ہر کام کے ہونے یا نہ ہونے کا ایک سبب معین کیا جا سکتا ہے یا ایک سے زیادہ اسباب گنوائے جا سکتے ہیں۔ اسی اصول پر 'احیائے خلافت' کے ضمن میں جو کوتاہی ہوئی ہے تو ع ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا تائید الٰہی کے شامل حال نہ ہونے کی اصل وجہ کے باوجود اسباب کی سطح پر بھی کئی اسباب سامنے آتے ہیں جن پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

04۔ آئندہ سطور پر چونکہ پاکستان میں اسلام کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے اہداف کارکردگی اور طریق کار پر گفتگو ناگزیر ہے لہٰذا تمام جماعتوں کے کارکنان ہمدردان اور اکابرین سے پیشگی معذرت ہے۔ اُمید ہے کہ تمام قارئین ان سطور کو اُمت مسلمہ کے اجتماعی کام 'احیائے خلافت' کے روبعمل نہ آسکنے کی وجہ سے اُمّت کی مجموعی کوتاہی شمار کریں اور اس کو ذاتی سطح پر (PRESONAL) اپنے اوپر تنقید نہیں سمجھیں گے۔

05۔ 'احیائے خلافت' کا مشن پورا نہ ہونے کے اسباب

اس تحریر میں احیائے خلافت کا نام لے کر یا کسی اور اصطلاح کے ساتھ سرگرم عمل جماعتوں کے اہداف، کارکردگی اور بعض صورتوں میں طریق کار پر گفتگو ہوگی۔ ان اسباب کی سطح پر اُمت مسلمہ کی مجموعی زبوں حالی، دین سے دُوری، بے عملی، بے حسی جیسے عنوانات پر گفتگو نہیں ہوگی۔ اوّلاً یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں اور دوم یہ تمام کام بھی انہیں کے کرنے کے ہیں جو اس کام کے نتیجے کے طور پر اسلام کے غلبے یا 'احیائے خلافت' کے لئے کوشاں ہیں۔ ثانیاً ان سطور میں حکمرانوں کی وعدہ خلافیاں، مجبوریاں اور سیاست کے علاوہ مغربی دنیا کا دباؤ، میڈیا کا پھیلاؤ اور بے حیائی کے فروغ جیسے اسباب بھی زیر بحث نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک یہ بھی ہماری انہی جماعتوں کے کرنے کے ہی کام ہیں اور اس راستے کے مسافروں کے لئے خارجی حالات اور

خطرات کو پہلے سے بھانپ کر اس کا تدارک کرنا لیڈرشپ اور قیادت کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ چند اسباب یہ ہیں:

اسلام کے غلبے کے لئے خلافت کی اصطلاح استعمال نہ کرنا

علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ (ستمبر 1913ء) میں خلافت کا لفظ استعمال کیا ہے اسلام کے عالمی غلبے کی نوید (قرآن مجید اور احادیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے) سنائی تھی۔مگر نا معلوم وجوہات کی بنا پر مولانا ابوالکلام آزاد نے 'حزب اللہ' بنائی تو اسلام کے غلبے اور نفاذ کے لئے حکومت الٰہیہ کی اصطلاح ایجاد فرمائی۔ یہ اصطلاح مسلمانوں کے ہاں کہیں استعمال نہیں ہوئی ہاں نصاریٰ کے ہاں 'آسمانی بادشاہت' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے (شاید یہ اسی کا ترجمہ ہو) جبکہ 'خلافت' کی اصطلاح قرآن وحدیث کی اصطلاح ہے اور احادیث مبارکہ میں اسلام کے عالمی غلبے اور خلافت علیٰ منہاجِ النبوۃ کا تذکرہ ہے۔اس اصطلاح کو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے یہ مساعی عوامی سطح پر پذیرائی حاصل نہ کرسکیں۔

اسی طرح 1941ء میں جماعت اسلامی تشکیل پائی تو مولانا مودودی نے بھی نہ معلوم کیوں علامہ اقبال کے کلام اور تحریک خلافت کی زوردار تحریک کے پس منظر کے باوجود اسلامی حکومت کے لئے 'خلافت' کی اصطلاح استعمال نہیں فرمائی۔ خلافت کے بجائے 'اسلامی حکومت' کی اصطلاح بھی آج تک عوامی سطح پر پذیرائی حاصل نہیں کرسکی۔

اس کے برعکس تنسیخ خلافت کے موقعہ پر برطانوی ہند کے مسلمانوں نے جب تحریک چلائی اور اس کا نام بحالی خلافت رکھا تو محکوم ہونے کے باوجود برطانوی تخت کو ہلا کر رکھ دیا۔ مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر میں دینی اصطلاحات نقش ہیں۔جن کے خلاف بات یا دوسری مختلف بات ان کے جذبات کو انگیخت نہیں کرسکتی خلافت کی اصطلاح بھی امت کے اجتماعی BRAIN TRUST میں موجود ہے جس کی طرف مسلمان جلد ہی لپک سکتا ہے جبکہ دوسری اصطلاحات مسلمانوں کے جذبات کو اُبھارنے میں ناکام رہتی ہیں۔

اسی طرح بظاہر سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نظام کا لفظ اضافہ کرکے نظامِ مصطفےٰ کا نعرہ اور اصطلاح بھی ہمارے بریلوی بھائیوں میں عوامی سطح پر پذیرائی حاصل نہیں کرسکا۔

ایک اصطلاح ’فکّ کل نظام‘ کی ہے جمعیت علمائے اسلام (ف) کا نعرہ ہے مگر ’احیائے خلافت‘ کے الفاظ کے متبادل کے طور پر قبول عام حاصل نہیں کر سکا۔ یاد رہے کہ یہ الفاظ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وضع کردہ ہیں اور انہوں نے اسلام کی تعلیمات سے ٹکرانے والے ہر نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کا نعرہ دیا تھا۔ مگر بعد میں نظام کیا ہوگا؟ یہ ایک فکری خلا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے جو نظام خلافت کے سوا کوئی دوسرا نظام نہیں ہوسکتا۔

● اسلام کے غلبے کے مشترک مقصد کے لئے کئی جماعتوں کا میدان عمل میں ہونا

صرف پاکستان میں درجن بھر سے زائد جماعتیں ہیں جو اسلام کے غلبے کے لئے اور نام لیے بغیر ’احیائے خلافت‘ کے مبارک مشن کے لئے سرگرم ہیں مگر آپس میں دست وگریباں ہیں۔ الیکشن میں حصہ لینے والی جماعتیں زبان سے نہ بھی کہیں درحقیقت وہ باہم دست وگریباں ہی ہیں کہیں ایک پارٹی سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کہیں دوسری جماعت سے تعاون۔ الیکشن کے میدان میں اسلام کے غلبے کے نام پر کئی جماعتوں کا وجود ’اسلام‘ کو متنازع بنانے اور عوام کے ذہنوں میں دیوبندی اسلام، بریلوی اسلام، اہل حدیث اسلام اور جماعت اسلامی کا اسلام کا خلفشار پیدا کرنے کا باعث ہے۔

اگر اسلام کے غلبے کے لئے خلافت کی اصطلاح استعمال کی جائے اور یہ بابرکت دینی اصطلاح (قرآن وحدیث کی اصطلاح) مشترکہ طور پر سامنے آئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس عمل کو اُمت مسلمہ کے لئے خیر وبرکت کا بہت بڑا ذریعہ بنا سکتا ہے۔

جو جماعتیں اسلام کے غلبے کے لئے کام کر رہی ہیں مگر الیکشن کی سیاست میں نہیں ہیں وہ اُمت مسلمہ میں باہمی تفرقہ کا باعث نہیں ہیں تاہم ’احیائے خلافت‘ کو عنوان سے کوئی مشترکہ یا ایک ہی پلیٹ فارم وجود میں آجائے تو منزل تک رسائی آسان ہوسکتی ہے۔

عصر حاضر میں نظام خلافت کے تقاضوں سے ناواقفیت

احادیث مبارکہ میں واضح طور پر الفاظ آئے ہیں جس کی بنا پر یہ بات حتمی ہے کہ

حضرت محمد ﷺ کے فرمان کے مطابق قربِ قیامت میں اسلام کا اجتماعی نظام، نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگا (مسند احمد، عن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ)۔ تاہم 1400 سال قبل کا معاشرہ اور آج کا جدید معاشرہ متعدد پہلوؤں سے بہت مختلف ہو چکے ہیں لہٰذا یہ بات غور طلب ہے کہ نظامِ خلافت اب آئے گا تو 'عصر حاضر' کے تقاضوں سے کیسے عہدہ برآ ہوگا۔ اس عنوان کے تحت جتنا کام کرنے کی ضرورت ہے اور جس قدر عرق ریزی اور جانفشانی سے محنت کرنے کا تقاضا ہے اس بوجھ کی گرانی اور اہمیت سے ہی ہماری بہت سی جماعتیں لاعلم ہیں۔ آج دنیا میں معلومات کا تبادلہ سیکنڈوں اور منٹوں کا معاملہ ہے۔ کسی بات تقریر یا گفتگو کو زیادہ چھپایا نہیں جا سکتا ہے۔ معیشت، افراطِ زر، دوسرے ملکوں سے درآمد اور برآمد کے معاملات، فوج، ملکوں کے درمیان تعلقات، عالمی سطح پر ملکوں کے درمیان معاہدے وغیرہ یہ سب موضوعات ایسے ہیں کہ جن پر اسلام کے غلبہ کے لئے کوشاں ہماری دینی جماعتوں (چاہے الیکشن میں ہوں یا مزاحمتی کردار کی حامل ہوں) کو خوب تیاری (HOMEWORK) کرنا چاہیئے تا کہ ایک طرف 'وہ' آنے والے وقت میں نظام کے تقاضوں کو سمجھ سکیں اور دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ افراد کو باور کرا سکیں کہ واقعی نظام خلافت ہی مسلمانوں کے جملہ اجتماعی مسائل کا واحد حل ہے۔

نظامِ خلافت ــــ کفالت عامہّ کا ضامن

ہمارے دینی اجتماعی نظام کی ایک خصوصیت 'کفالت عامہّ' کا تصور ہے۔ یہ تصور دور حاضر کا ہے مگر سیدنا محمد ﷺ جو نبی آخر الزمان ہیں وہ ایسی تعلیمات لائے تھے جو ابدی ہیں اور خالق ارض وسماء کی اُتاری ہوئی تھیں یعنی اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل ہی تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ انسانی ضرورت قرار پائے گی لہٰذا خلافت راشدہ میں اسی کا ابتدائی خاکہ عمل میں لایا گیا یہی وہ وجہ ہے کہ پاکستان کے نظام کے بارے میں جیسے پہلے تذکرہ ہوا 31 علماء کے 22 نکات (1951ء) میں پاکستان کو فلاحی اسلامی مملکت قرار دینے کا مطلب عوام کے لیے کفالت عامہّ کا انتظام کرنا ہے۔ یعنی اسلامی ریاست کا اگر کوئی شہری خود کما کر کھا رہا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا تو خیر ہے۔ مگر جب کوئی شہری معذور ہو جائے، اپاہج ہو جائے، حادثہ میں زخمی ہو کر کمانے کے قابل نہ رہے یا جیسے اسلام میں قتل کی سزا کی صورت قاتل مقتول کے ورثا کے حوالے کر دینا تا کہ وہ اسی طرح اس قاتل

کی جان لے سکیں۔اس صورت میں غلطی جس شخص نے کی وہ قانون کے مطابق اپنی سزا کو پہنچ گیا مگراس کے بچے اور بیوہ کے لئے اگر کوئی اور سہارا نہ ہوتو حکومت کفالت کی ذمہ دار ہوگی۔

ایک صدی قبل دنیا میں مارکس (MARX) کی تعلیمات کے تحت کیمونزم اور سوشلزم کا تصور اُبھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے درجنوں ممالک اس نظریہ کی لپیٹ میں آگئے اور سرمایہ دارانہ نظام پر لرزہ طاری ہوگیا تاہم جلد ہی اس عوام دوست نظام کی بساط لپیٹ دی گئی تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کے سرپرست دنیا پر قابض رہ کر سودی معیشت کے ذریعے کثیر سرمایہ اپنی تجوریوں میں ڈالتے رہیں۔

اسلام کا نظام خلافت ’کفالت عامہ‘ کے تصور کے تحت ایک خاص معاشی سطح سے نیچے کے شہریوں (مسلم ہو یا غیر مسلم) کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور اس تصور کے تحت پانچ چیزیں آتی ہیں: (1) روٹی، نان ونفقہ (2) کپڑا لباس (3) مکان یعنی شادی جو ہر انسان (مرد ہو یا عورت) کا حق ہے۔ (4) انسان کی صلاحیت کے مطابق تعلیم (5) علاج معالجہ

افسوس کہ ہمارے ملک میں اسلام کے غلبے کے لئے کوشاں جماعتیں (بالخصوص الیکشن کی سیاست پر عامل جماعتیں) اس عوامی بہبود کے پروگرام کا نہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے شعور رکھتی ہیں اور نہ ہی اپنے ملک کے عوام کی فلاح و بہبود کے اس پروگرام کو عام کرتی ہیں۔ یہ نعرہ ایسا ہے کہ چار عشرے پہلے ایک لیڈر نے اس نعرے کے ذریعے کامیابی حاصل کر لی اور اس نظریہ کی بازگشت ابھی تک عوام کے ذہنوں میں موجود ہے۔کاش کفالت عامّہ کے اسلامی تصور کو عام کیا جاسکے اور اس کی برکات سے سودی نظام کے شکنجے میں کسے ہوئے عوام کو نکالا جاسکے تاکہ وہ اسلام کے مطابق سکھ چین کی زندگی گزار سکیں۔اس طرح آج کا مزدور اور کسان جاگیر دارانہ جبر و استبداد اور کارخانہ دار کے جابرانہ اور قاہرانہ غبن وغضب واستحصالی رویّہ سے بھی گلوخلاصی حاصل کرسکتا ہے۔

اسی نظام کی برکات سے غیر مسلم بھی مستفیض ہوں گے اور اسلام کے لئے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوسکتا ہے۔جیسے حضرت عمر ؓ نے جب بیت المقدس کا سفر فرمایا اور پھر عراق میں کوفہ و بصرہ بھی تشریف لے گئے۔ایک بوڑھے پارسی کو بھیک مانگتے دیکھا تو فرمایا:____ یہ

کیوں بھیک مانگ رہا ہے؟ جواب دیا گیا کہ بوڑھا ہو گیا ہے اب کمانے کے قابل نہیں رہا فرمایا جب تک کمانے قابل تھا وہ ٹیکس دیتا تھا اب کمانے کے قابل نہیں ہے تو بھیک مانگے یہ نہیں ہو سکتا۔ حکومت اس کی کفالت کرے گی گویا اسلامی فلاحی ریاست میں تمام شہری بلا لحاظ مذہب و ملّت ،رنگ و نسل اور ذات و پیشہ اس نعمت سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

اسی نظام کی برکات سے جبری محنت (BONDED LABOUR) کے نظام سے بھی گلو خلاصی حاصل کی جاسکتی ہے اور عوام معاشی سکون حاصل کر کے اپنے رب کی بندگی کے لئے فارغ ہو سکتے ہیں۔

تمام جماعتوں کو خلافت اور نظامِ خلافت کا لفظ اپنا لینا چاہیئے

ہماری کچھ فعال جماعتیں خلافت اور نظامِ خلافت کے الفاظ سے وحشت محسوس کرتی ہیں کہ علامہ اقبال کے پیش کردہ ایک تصور کو کیسے اپنا لیں۔ غور کیا جائے تو پاکستان کی تاریخ کا معروضی مطالعہ کا حاصل ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کے لئے ہر وقت تیار رہیں اور اپنے ذہنوں کو ہر وقت ایسا بند اور خیالات سے PACK نہ رکھیں کہ قلب و ذہن میں کسی نئے خیال اور نادر تجویز کے لئے جگہ ہی نہ ہو۔ بقول اقبال

ے چاہیئے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

قائداعظم محمد علی جناح نے مارچ 1940ء کی تاریخی قرارداد میں 1946ء میں ایک تبدیلی کا فیصلہ فرمالیا۔ یہ بالغ نظری کی دلیل اور لیڈر کا حالات کی نبض پر گرفت کا تقاضا ہے کہ ذرا سے خارجی حالات بدلیں اور طرزِ عمل میں تبدیلی ضروری ہو (اور خلاف شرع بھی نہ ہو) تو تبدیلی کر لی جائے۔

ایک اور زاویہ نگاہ سے غور فرمائیں تو کتنی بڑی حقیقت ہے کہ علامہ اقبال مفکرّ پاکستان ہیں اور انہیں کے فکر کے مطابق پاکستان بنا جب علامہ اقبال کے بنائے ہوئے ملک میں رہ رہے ہیں سیاست کر رہے ہیں مفادات حاصل کر رہے ہیں تو اس مفکر پاکستان کی ایک صحیح (دینی تصورات کے عین مطابق) کہی ہوئی بات کہ "مسلمانوں کا اجتماعی نظامِ خلافت ہے" کو کیوں قبول نہ کیا

جائے جب ان کے اشعار ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی زبان پر ہیں تو ان کے دیے ہوئے خلافت کے نعرے کو کیوں ں قبول نہ کیا جائے بلکہ حق یہ ہے کہ کھلے دل سے اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّم ___ فضیلت کسی بات کو پہلے کہنے والے کی ہوتی ہے کے اصول کے مطابق اس اصطلاح کو نہ صرف اپنایا جائے بلکہ ان کی فضیلت کو بھی کھلے دل سے تسلیم کیا جائے۔

● نظامِ خلافت ___ نظام عشر و زکوٰۃ

حکومت چلانے کے لیے جو وسائل درکار ہیں وہ دنیا بھر میں جہاں تک ملکوں کی تاریخ معلوم ہے ٹیکسوں (TAXES) کے ذریعے پورے کیے جاتے ہیں۔ حکومتی ٹیکسوں کے نظام میں سرکاری اہلکاروں کا جبر اور صوابدیدی اختیارات ہوتے ہیں لہٰذا رشوت اور ٹیکس چوری کا رجحان بڑھتا ہے۔

جبکہ اسلام نے اس کیلئے بھی زکوٰۃ کا نظام دیا ہے جو عبادت ہے لہٰذا کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس زکوٰۃ میں چوری کا نہیں سوچے گا۔ افسوس کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حکومتی محاصل کے طور پر زکوٰۃ کے تحت آنے والے تصورات کو عام نہیں کیا گیا نہ عام ہونے دیا گیا ہے۔ ورنہ یہ حقیقت کہ اگر کوئی حکومت نظامِ خلافت نافذ کر کے زکوٰۃ کا نظام نافذ کر دے تو ایک طرف (محتاط اندازے کے مطابق) حکومتی محاصل (آمدنی) پانچ گنا بڑھ جائیں گے جس سے نظام کفالت کو نافذ کرنا قابل عمل ہو جائے گا اور دوسری طرف گلی محلّہ کے ادارے جو زکوٰۃ اکٹھی کرتے ہیں ان پر پابندی لگ جائے گی اور کسی نظام کے تحت ہی وہ فنڈز حاصل کر سکیں گے۔ یہ اس لئے کہ کفالت عامہّ کے نفاذ کے بعد ذاتی اداروں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔

نظام زکوٰۃ کے بارے میں چند بنیادی تصورات یہ ہیں:

- زکوٰۃ حکومت کے لئے کسی مسلمان کی ذاتی ملکیتی اثاثہ جات پر سالانہ ایک معینہ رقم وصول کرنے کا نام ہے۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک زکوٰۃ سرکاری طور پر ایک ہی عنوان کے تحت اکٹھی ہوتی تھی۔ جب سلطنت وسیع ہوگئی اور دور دراز علاقوں میں مردم شماری، اثاثہ جات، مویشی، زیور وغیرہ کے اعداد و شمار اعتماد کے ساتھ اکٹھے کرنا مشکل ہو گیا تو زکوٰۃ کو دو عنوانوں کے تحت کر دیا گیا۔

1۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ 2۔ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ

اموالِ باطنہ وہ اموال (نقد جنس، سونا وغیرہ) جو کسی کے گھر میں ہیں وہ اس شخص (مرد یا عورت) کے ذاتی اموال ہیں اور اموال باطنہ کہلاتے ہیں ان کی زکوٰۃ وہ شخص (مرد یا عورت) خود ایک خود تشخیصی نظام کے تحت ادا کرے گا اور اس کا جواب وہ اللہ تعالیٰ کو دے گا، سرکاری اہل کار اس پر تفتیش یا چھان پھٹک کے مجاز نہیں ہوں گے۔

اموالِ ظاہرہ کاروبار، کارخانے، گوداموں میں اجناس کا سٹاک، شراکتی ادارے وغیرہ کی زکوٰۃ اموالِ ظاہرہ کے تحت ہوگی اور سرکاری اہل کار اس کی تفتیش اور چیکنگ کرسکیں گے۔

آج کے دور میں اس مد سے حکومت کو ٹیکسوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ آمدنی ہوسکتی ہے اس ضمن میں بعض پیچیدگیاں ہیں اس پر کچھ کام علماء نے اپنے طور پر کیا ہے۔ اگر نظام زکوٰۃ سنجیدگی سے نافذ کردیا جائے اور اس پر زیادہ گہرائی میں جا کر غور کر کے قرآن وحدیث کی نصوص سے آج کی کاروباری صورتوں کے بارے میں تفصیلی ضابطے بنائے جاسکتے ہیں۔

(افسوس کہ آج یہ نظام نافذ نہ ہونے کی وجہ سے کھربوں روپے کی زکوٰۃ یا تو ادا نہیں ہوتی یا مدارس اور خیراتی رسالوں اور بعض دیگر اداروں میں چلی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عوام کے لئے کفالت عامہّ کا جو تصور ہے عوام اس سے محروم ہیں یہ طرزِ عمل عوام کے حقوق پر ایک طرح کا ڈاکہ ہے۔)

زمینوں کا معاملہ

عشر کا تعلق زمین سے ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق زمینیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔

1۔ خراجی زمینیں 2۔ عُشری زمینیں

خراجی زمینیں وہ زمینیں جو مسلمان افواج نے ماضی میں کسی بھی زمانے میں فتح کی ہیں چاہے وہ بعد میں واپس غیر مسلموں کے پاس چلی گئیں اور پھر مسلمانوں کے پاس آگئیں وہ خراجی ہی رہیں گی وہ حکومتی ملکیت (STATE LANDS) ہوتی ہیں اور کاشتکاروں کو مروّجہ شرائط پر معینہ مدت تک (30 سالہ لیز وغیرہ) کے لئے ملتی ہیں۔ اس پر حکومت مالک زمین کی حیثیت سے حصہ لیتی ہے۔

عشری زمینیں وہ زمینیں جن کے مالک از خود مسلمان ہوگئے وہ زمینیں عشری کہلاتی ہیں

اور نہری اور بارانی کی تقسیم کے تحت پیداوار کا 5% یا 10% حکومت کو ادا کرتی ہیں۔

پاکستان کی زمینیں

برصغیر پاک وہند کی زمینیں دوصدی قبل تک کے علماء کے نزدیک خراجی زمینیں تھی۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد (1657ء_1707ء) تک ساری زمینیں خراجی تھیں۔ اس میں تبدیلی غاصب انگریز نے آکر کی ہے اور 1790ء کی دہائی مین لارڈ کارنوالس نے مقامی لوگوں میں غدار بنانے کے لئے زمینوں کا اسلامی سٹیٹس (STATUS) تبدیل کر دیا اور لوگوں کی ملکیتی زمینیں بنا دیں۔ اور جاگیریں عطا کر دیں۔

انیسویں صدی کی ایک اسلامی مسائل کی کتاب (جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے) 'مَالَا بُدَّ مِنْہ' جس کے مصنف حضرت مولانا ثناءاللہ پانی پتی تھے۔ انہوں نے طہارت، غسل، نماز، روزہ، زکوۃ سب مسائل درج کئے ہیں۔ مگر زمینوں کے معاملے میں 'عشر' کے مسائل درج نہیں فرمائے کہ پورے برطانوی ہند کی زمینیں خراجی ہیں یہاں 'عشر' کے مسائل لاگو نہیں ہوتے لہٰذا طالب علموں کے ذہنوں پر بوجھ رہے گا اس لئے ان مسائل کو درج نہیں فرمایا۔

افسوس کے پاکستان بننے کے بعد انگریزوں سے حاصل کی گئی جاگیروں کے مالکوں نے زور لگا کر پاکستان کی زمینوں کے سٹیٹس (STATUS) کو عشری قرار دینے کی سعی لاحاصل کی ہے جس سے آج تک نہ زرعی اصلاحات ہوسکیں نہ حکومت وہ جاگیریں واپس حاصل کر سکی۔

06۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جب پاکستان کی وہ جماعتیں جو اسلام کے غلبے کے لئے کوشاں ہیں، نظام خلافت پر متفق ہو جائیں تو مشترکہ کوششوں سے یا حکومتی تعاون سے جدید ماہرین بندوبست اراضی تاریخ دان، علماء، جج حضرات پر مشتمل ایک کمیشن بنایا جا سکتا جو اس معاملے کو دوبارہ غور کر کے رائے دے سکتا ہے۔ اگر پاکستان کی زمینوں کا خراجی ہونے کا سٹیٹس (STATUS) بحال ہو جائے تو نظامِ خلافت کے نفاذ سے ایسی برکات آئیں گی اور خوشحالی کا ایسا دور آئے گا کہ آج ہم تصور میں نہیں لا سکتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تنسیخ خلافت سے لے کر تقریباً نوے سال ہونے والے ہیں جبکہ پاکستان کو بنے ہوئے 66 سال ہونے کو آرہے ہیں۔ اگر اب بھی ہم اسلام کے اجتماعی نظام

____ نظام خلافت کی اصطلاح کو سینے سے لگالیں اس پر ہر طرح کی تحقیق وجستجو کریں اور اس پر عمل درآمد کے طریقے سوچیں تو کوئی وجہ نہیں اس ملک کے مجبور ومقہور ومظلوم مسلمان اس محرومی کی کیفیت سے نکل سکیں اور بالآخر ساری دنیا کے پسے عوام اور سودی نظام کے جبر سے نڈھال مزدور و کسان ومحنت کش بھی آرام وسکون کی زندگی گزار سکیں اور دنیا میں مذہب اور خدا پرستی کا دور دوبارہ لوٹ آئے جو مغرب کے حیوان صفت کارپردازوں نے سیکولرازم کے نام پر لوگوں کے ذہنوں سے کھرچنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ کرے جلد ایسا ہی ہو جائے آمین

07۔ ہمارے نزدیک احیائے خلافت کے راستے کی یہ رکاوٹیں ہیں جن کو دور کرنے کی ذمہ داری ہر دردمند مسلمان کی ہے۔ اُمید ہے کہ جہاں تک یہ الفاظ پہنچ سکیں لوگ اس پر غور کریں شاید اس طرح مسلمانانِ پاکستان اور بانیانِ پاکستان کا اسلامی فلاحی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے اور پاکستان عصر حاضر کی جدید اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کا مقامِ رفیع حاصل کر سکے جو بعد میں پھیل کر عالمی خلافت کا روپ دھار سکے۔

وما ذالك على الله بعزيز

ماہِ رمضان المبارک کا مقصد؟

انجینئر عبداللہ اسماعیل

یہ عنوان آپ کے لیے شاید نیا ہو کہ رمضان المبارک کا کیا مقصد ہے؟ ہم لوگ عام طور پر روزے کے مقصد سے واقف ہیں کہ اس کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ بالفاظِ قرآنی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ۔183)

”اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو“

اور اسی طرح ہم رات کو تراویح میں قرآن مجید سننے کا مقصد بھی جانتے ہیں کہ دن کو روزہ رکھنے سے جو تقویٰ حاصل ہوا، اسے قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے کیونکہ بلاشبہ قرآن میں عمومی طور پر تمام انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی موجود ہے (ھُدًی لِّلنَّاس) لیکن عملی طور پر اس سے وہی رہنمائی حاصل کرتا ہے جس میں تقویٰ موجود ہو (ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن) لیکن اس رمضان المبارک کا، جس میں دن کا روزہ اور رات کو تراویح میں قرآن سنا جاتا ہے، کیا مقصد ہے؟ آیئے ہم ایک حدیث سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ارْتَقَى الْمِنْبَرَ فَقَالَ: آمِينَ آمِينَ آمِينَ فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ هٰذَا؟ فَقَالَ: قَالَ لِی

جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: **رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، فَقُلْتُ: آمِينَ،** ثُمَّ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ: آمِينَ، ثُمَّ قَالَ: رَغِمَ أَنْفُ عَبْدٍ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ: آمِينَ (السنن الكبرى للبيهقی)

''حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے تو آپ فرمایا: آمین آمین آمین۔ کسی نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! (آج جیسے ہم نے دیکھا) اس طرح آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: **اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے رمضان کا مہینہ پایا لیکن اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین۔** پھر کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور پھر وہ جنت کا حقدار نہ بنا۔ میں نے کہا: آمین۔

اس حدیث سے ماہِ رمضان المبارک کا مقصد واضح ہوتا ہے کہ یہ مہینہ ہر سال ہماری زندگی میں ہماری مغفرت کے اسباب لے کر آتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ پروردگار کریم نے ہماری مغفرت کے لیے اس مہینے میں کیا کیا آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

☆ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی ہماری آسانی کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ (مسلم)

''جب رمضان (کا مہینہ) آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے''۔

انسان کو راہِ راست سے ہٹانے والی اور اللہ کی مغفرت سے دور کرنے والی سب سے

بڑی طاقت شیاطین ہیں۔ رمضان المبارک کے مہینے میں بندۂ مومن کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مہینے میں عمومی طور پر لوگوں کا نیکی اور مسجد کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔

☆ اسی طرح رمضان میں اہل ایمان کی نیکیوں کو بڑھانے کے لیے ان کے اجر میں اضافے کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ

مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ
وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ

''جو شخص اس (رمضان المبارک کے) مہینے میں اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور جو اس مہینے میں فرض ادا کرے گا وہ ایسے ہے جیسے غیر رمضان میں اس نے ستر فرض ادا کیے''

☆ رمضان المبارک کے روزے، قیام اللیل اور قیامِ شب قدر پر (چند شرائط کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیمَانًا وَاحتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (متفق علیہ)

''جس نے رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ روزہ چاہے کسی مہینے کا بھی رکھا جائے اس سے روزہ دار کو تقویٰ حاصل ہوتا ہے مگر رمضان المبارک کے روزہ ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھنے سے تقویٰ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہوں کی معافی کا بھی وعدہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیمَانًا وَ احتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

جس نے رمضان کے مہینے میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

یوں تو رات کا قیام اور تہجد تو روزانہ ہی پڑھی جاسکتی ہے مگر رمضان کے مہینے میں قیام اللیل (خصوصاً تراویح) ایمان اور احتساب کے ساتھ پڑھنے سے بھی گزشتہ گناہ دُھل سکتے ہیں۔

یہی بات آپ ﷺ نے لیلۃ القدر کے قیام کے حوالے سے بھی ارشاد فرمائی:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ،

جس نے شب قدر کا قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

اور یہ بات تو واضح ہی ہے کہ لیلۃ القدر صرف رمضان المبارک کا حصہ ہے۔

اب تک ساری بشارتیں حقوق اللہ کے حوالے سے تھیں۔ آنحضور ﷺ نے حقوق العباد کے حوالے سے بھی رمضان میں مغفرت کی خوشخبری سنائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوبِهٖ وَ عِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ (البیھقی)

''جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا''

اور اسی طرح رمضان کے بابرکت مہینے میں اپنے غلام (نوکر، ملازم SUBORDINATE) کے کام میں تخفیف کرنا بھی باعث مغفرت ہے۔ بالفاظِ حدیث

وَ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهٖ فِيهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَ اَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ (البیھقی)

''اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام کے کام میں تخفیف کردے گا اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے آزادی دے گا''

الغرض ــــــ رمضان المبارک کا مہینہ ہمارے لیے مغفرت کا بھرپور سامان لیے ہوئے ہے اور آنحضور ﷺ نے اس مہینے کے ذریعے مغفرت حاصل کرنے کے مختلف انداز بھی بتادیے ہیں جو اُوپر بیان ہوچکے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ ہر پہلو سے اس انعام کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

رمضان کی ان برکات کو آنحضور ﷺ نے ایک اور انداز سے یوں بیان فرمایا ہے:

وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ (البیھقی)

’’اور اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے‘‘

یعنی اس رمضان کے پہلے مرحلے میں محنت کرنے سے انسان کا دل نرم ہوتا ہے اور اللہ کی طرف اور نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ظہور ہے۔ دوسرے مرحلے میں انسان اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر اللہ سے معافی کا خواست گار ہوتا ہے جس سے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر تیسرے مرحلے میں انسان مزید محنت کر کے اپنے آپ کو نیکی کے لیے اتنا طاقتور بنا لیتا ہے کہ آئندہ رمضان تک گناہوں سے باز رہ سکے تو یہی چیز اس کے لیے آگ سے نجات کا باعث بن سکتی ہے۔

عید الفطر ...... مغفرت کے حصول پر اظہارِ مسرت کا موقع

جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا کہ رمضان المبارک کا مقصد اللہ سے مغفرت کا حصول ہے اور جب بندہ مومن اس مقصد کے لیے محنت کرتا ہے اور اپنے آپ کو گناہوں سے روک کر رکھتا ہے تو مہینہ ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان اہل ایمان کے لیے مغفرت کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور یہ اعلان عید الفطر کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ حدیث

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى أَبْوَابِ الطُّرُقِ، فَنَادَوْا: اغْدُوا يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اِلَى رَبٍّ كَرِيمٍ يَمُنُّ بِالْخَيْرِ، ثُمَّ يُثِيبُ عَلَيْهِ الْجَزِيلَ، لَقَدْ أُمِرْتُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَقُمْتُمْ، وَأُمِرْتُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ فَصُمْتُمْ، وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبِضُوا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوْا، نَادَى مُنَادٍ: أَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ، فَارْجِعُوا رَاشِدِينَ اِلَى رِحَالِكُمْ، فَهُوَ يَوْمُ الْجَائِزَةِ، وَيُسَمَّى ذَلِكَ الْيَوْمُ فِي السَّمَاءِ يَوْمَ الْجَائِزَةِ (المعجم الكبير)

’’جب عید کا دن ہوتا ہے فرشتے راستوں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں،

پھر پکار کر کہتے ہیں: اے مسلمانوں! چلو اپنے کریم رب کی طرف، جو بھلائی (کی توفیق) دے کر احسان بھی کرتا ہے اور پھر اس پر بہت زیادہ بدلہ بھی دیتا ہے۔ تمہیں رات کے قیام کا حکم ہوا تو تم نے رات کا قیام کیا اور تمہیں دن میں روزے رکھنے کا حکم ہوا تو تم نے دن میں روزے رکھے۔ تم نے اپنے رب کے حکم کو پورا کیا، لہٰذا اب تم اپنا انعام وصول کرلو۔ پھر جب لوگ (عید کی) نماز پڑھ لیتے ہیں تو ایک منادی پکار کر کہتا ہے: سن لو! یقیناً تمہارے رب نے تمہاری مغفرت کردی، اب تم اپنے گھروں کو کامیاب ہوکر لوٹ جاؤ۔ یہ انعام کا دن ہے، آسمان میں اس دن کا نام یوم الجائزہ ہے۔''

الغرض ــــــ ان احادیث کی روشنی میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس مہینے میں ہماری مغفرت کا بھرپور سامان موجود ہے۔ اور اگر پہلی حدیث پر غور کیا جائے تو یہ بات بھی ہم پر واضح ہوجانی چاہیے کہ اب اس مہینے میں مغفرت کا حصول ہمارے لیے OPTIONAL (اختیاری) نہیں بلکہ لازمی ہے۔ اگر ہم نے اس یں کوئی کوتاہی کا ہلی اور سستی کی تو ہم جبرئیل امین کی بددعا اور اس پر آنحضور ﷺ کی آمین کی زد میں آجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس آنے والے بابرکت مہینے سے ہمیں بھرپور فائدہ اُٹھانے والا بنائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس مہینے کا مقصد یعنی اللہ کے دربار سے اپنی مغفرت کا پروانہ حاصل کرسکیں۔ آمین۔

انسانی شخصیت کے لیے

روزے کے فوائد وثمرات

مفتی عطاء الرّحمٰن

اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے توحید ورسالت کی شہادت کے بعد نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون قرار دیا ہے (متفق علیہ)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے جس طرزِ زندگی کا نام ہے وہ ان چیزوں سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ ان کے بغیر اسلام کی تعمیر و بقا اور ترقی نہیں ہوسکتی بالکل اسی طرح جیسے کوئی عمارت بغیر بنیاد اور کوئی چھت بغیر ستون کے قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ تمام عبادات اس بات میں مشترک ہیں کہ یہ تقرب اِلی اللہ کا ذریعہ ہیں اور انسانوں کے ظاہر و باطن کو سنوارنے اور دنیا و آخرت میں پر سکون اور کامیاب زندگی کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ تاہم ان کی اپنی اپنی حکمتیں، خصوصیات، برکات اور ثمرات بھی ہیں جن کی بنا پر یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

ذیل کی سطور میں ہم ان ارکانِ اسلام میں سے چوتھے رکن یعنی رمضان المبارک کے روزوں کے کچھ ظاہری و باطنی ثمرات وخصوصیات اور حکمتوں کا تذکرہ کریں گے۔ تاکہ ہم رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کے سایہ فگن ہونے سے قبل ہی اس کی برکات وفوائد کے حصول کے لیے کمربستہ ہوجائیں اور اس مقدس مہینے کے آتے ہی ہم اس کی برکات سمیٹنا شروع کردیں۔

رمضان، قرآن اور روزہ کے درمیان تعلق

قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کے 23ویں رکوع میں (جہاں روزہ کے احکام بیان ہوئے ہیں) رمضان، قرآن اور روزہ کا ذکر ایک ہی فقرے میں جس انداز میں ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تینوں چیزوں کا باہم مضبوط ربط اور تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ؛ سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے۔''

روزہ...... اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتِ ہدایت پر شکر گزاری

اس آیت مبارکہ میں روزے کی فرضیت کے لیے رمضان کے مہینے کے انتخاب کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہی مبارک مہینہ ہے جس میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس قرآن سے متعلق فرمایا کہ یہ ہدایت بھی ہے اور اس میں ہدایت اور فرقان کی بینات یعنی واضح، دل نشین اور ہر اُلجھن کو دور کردینے والے دلائل بھی ہیں؛ اس وجہ سے یہ رہتی دنیا تک عقل انسانی کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اِسی مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا تا کہ بندے اس مہینے میں اپنے نفس کی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات سے آزاد ہو کر اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں اور اپنے قول و فعل، اپنے ظاہر و باطن اور اپنے روز و شب ہر چیز سے اس حقیقت کا اظہار کریں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم سے بڑی ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرضیتِ روزہ کے اس مقصد کی طرف اشارہ ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

''اور (یہ رمضان کا روزہ) اس لیے (فرض ہوا) تا کہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ اُس نے

تم کو ہدایت دی اور تا کہ تم اس کا شکریہ ادا کرو“

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے

یہ بات بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بے شمار نعمتیں دی ہیں ان میں عقل سب سے بڑی نعمت ہے لیکن عقل سے بھی بڑی نعمت قرآن مجید ہے اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن مجید ہی سے حاصل ہوتی ہے، یہ نہ ہو تو عقل اندھیروں میں ہی بھٹکتی رہے۔ اس وجہ سے جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی وہی اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ اسے اللہ کی کبریائی اور شکرگزاری کا خاص مہینہ ٹھہرا دیا جائے تا کہ اس نعمت عظمٰی کی قدر و عظمت کا اعتراف ہمیشہ ہوتا رہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزوں کی عبادت مقرر فرمائی جو اس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس کے حامل لوگوں ہی کے لیے درحقیقت قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی پہلی ہی آیت میں یہ حقیقت واضح فرمادی ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ متقیوں کے لیے ہدایت بن کر نازل ہوئی ہے)۔

گویا اس حکمت قرآنی کی ترتیب یوں ہوئی کہ قرآن حکیم کا حقیقی فیض صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو اور اس تقویٰ کی تربیت کا ذریعہ روزہ کی عبادت ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرمادیا جس میں یہ قرآن نازل ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن دنیا کے لیے بہار ہے اور رمضان کا مہینہ موسم بہار ہے اور یہ موسم بہار جس فصل کی نشوونما کرتا ہے وہ تقویٰ کی فصل ہے۔

روزہ......حصولِ تقوی کا ذریعہ ہے

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ روزے کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ اور دل کی پرہیزگاری حاصل کرنا ہے۔ اس بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد ہر وقت بندے کے دل میں اللہ کا خوف سمایا رہتا ہے اور وہ اس کی نافرمانی سے بچتا رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کے اندر اپنے جسمانی تقاضے پورے کرنے کی شدید خواہش ہوتی ہے اور روزہ انسان کی اس خواہش کی شدت کو کم کرتا ہے، جس سے معصیت و نافرمانی بہت کم ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں روزے کے احکام کے سیاق وسباق میں عزیزوں رشتہ داروں کے حقوق اور رشوت، حرام خوری اور دوسروں کے اموال واملاک غصب کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ اس سے روزے کی یہ حکمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس عبادت کا اصل مقصود حرص وطمع، بخل اور لالچ اور اس قبیل کی دوسری بیماریوں پر قابو پانا ہے۔ ان پر قابو پانے ہی سے انسان کے اندر وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو حقوق ومعاملات میں اس کو عدل پسند اور محتاط بناتا ہے۔ گویا جن چیزوں سے بچتے رہنے کی ہدایت کی ان سے نفس کو بچانے میں جو تدبیر سب سے زیادہ کارگر ہوسکتی ہے اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمادی۔

اس بات کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے:

اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ ''روزہ ڈھال ہے''

یعنی جس طرح ڈھال انسان کے لیے دشمن کے حملے سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح روزہ دنیا میں انسان کو اس کے ازلی دشمن شیطان کے حملے سے بھی بچاتا ہے اور روزہ دار اپنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرکے خود کو گناہوں سے بھی بچاتا ہے اور اس طرح یہ روزہ انسان کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا بھی ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس ارشاد مبارک سے یہ بات از خود واضح ہوتی ہے کہ جس طرح ڈھال دشمن کے حملے سے تبھی حفاظت کرتی ہے جب اس کو بروقت استعمال کیا جائے۔ اسی طرح روزہ دار کو چاہیے کہ روزہ کو کامل طور پر ڈھال بنائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب بھی نفس یا شیطان یا کسی اور طرف سے بے ہودہ، لایعنی بات یا نادانی کے کام کا تقاضا ہو تو فوراً اپنے آپ کو اس سے محفوظ

رکھے۔حضورا کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصِّیَامُ جُنَّةٌ، فَلاَ یَرْفُثْ وَلاَ یَجْھَلْ، وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْیَقُلْ: اِنِّی صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ (بخاری،عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''روزہ ڈھال ہے، لہٰذا روزہ دار کو چاہیے کہ کوئی بے حیائی اور نادانی کا کام نہ کرے، اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ لڑے یا بُرا بھلا کہے تو اس سے کہدے کہ میرا روزہ ہے'میرا روزہ ہے''۔

روزہ......صبر وثابت قدمی کے حصول کا ذریعہ ہے

روزہ رکھنے سے انسان میں صبر کی نشو ونما ہوتی ہے۔یعنی روزہ رکھنے سے سخت حالات میں ثابت قدم رہنے اور مصائب وحوادثات پر صبر کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھانے پینے جیسی بنیادی اور اہم ترین ضروریات کو بالا رادہ چھوڑ کر صبر کرتا ہے اور پھر ایک مہینے تک مسلسل صبر کرتا رہتا ہے وہ ایسی ضروریات کو تو بدرجہ اولیٰ چھوڑ سکے گا جو بنیادی درجے کی نہ ہوں یا محض خواہش کے درجے کی ہوں۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

وَ ھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ، وَ الصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّة

''اور یہ (رمضان کا مہینہ) صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے''

جو آدمی صبر کے ملکہ سے آراستہ ہو جائے (جو کہ روزہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے) اس کے لیے مشکلات اور سخت حالات کو کھلے دل سے برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی سعی کو مسلسل جاری رکھ کر ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدمی کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

آدمی کے لیے صبر کی مثال ایسے ہے جیسے گاڑی کے لیے بریک ہوتی ہے۔اگر کسی گاڑی کی بریک فیل ہو جائے تو وہ گاڑی چلانے والے اور راہ چلنے والوں کے لیے ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔اسی طرح جو آدمی بے صبرا ہوتا ہے اس کے لیے اپنی خواہشات وجذبات پر کنٹرول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔جبکہ صابر شخص میں اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے تذکرے میں اَلصَّابِرِیْنَ فِی الْبَأْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ

الْبَــــأْس کو خاص اہتمام سے بیان فرمایا ہے۔اور صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے حساب اجر و ثواب کی خوشخبری اور شاباش دی ہے: اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے حساب اجر ملے گا) اور وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں)۔ یہ صبر کی صفت روزہ رکھنے سے انسان میں نشو و نما پاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں روزے کا مقام و مرتبہ

روزے کی عبادت اللہ کے ہاں دوسری عبادات کے مقابلے میں امتیازی مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا اِلَی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اِلَّا الصَّوْمَ، فَاِنَّهُ لِی وَ أَنَا أَجْزِی بِهٖ، یَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِی ،(مسلم)

”ابن آدم کا ہر نیک عمل بڑھایا جائے گا، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف روزے کا معاملہ اس سے مختلف ہے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ کیونکہ بندہ صرف میری ہی (رضا کے حصول کی) خاطر اپنی خواہشوں اور کھانے پینے کو چھوڑتا ہے“۔

اس حدیث قدسی سے روزے کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اگرچہ آدمی ہر نیک کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی کرتا ہے اور ہر نیک کام کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندے کو دیتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے روزہ کی نسبت اپنی طرف کی ہے کہ ”روزہ میرے لیے ہے“ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہی چیز منسوب کی جاسکتی ہے جو سب سے افضل، اعلیٰ اور مقدس ہو جیسے کعبہ کے لیے ’بیت اللہ‘ (اللہ کا گھر) وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ میں۔ روزے کا یہ معاملہ دوسری عبادات سے مختلف ہونے کی وجہ مذکورہ حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس میں بندہ اپنی شہوت اور کھانے پینے کی جائز خواہشوں سے بھی محض اپنے ربّ کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں دستبردار ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد مبارک ہے:

لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ

''روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے''

اس حدیث مبارکہ سے بھی روزے کی یہ امتیازی شان معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح انسان کو مشک کی خوشبو سونگھنے سے سرور ہوتا ہے اور یہ اسے مشک کی خوشبو بہت پسندید آتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں روزہ کی وجہ سے روزہ دار کے منہ میں جو بو پیدا ہوتی ہے وہ مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔عبادت کے پسندیدہ ہونے کی وجہ سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہے۔

روزہ...... ہمدردی اور باہمی تعاون کا باعث ہے

روزہ رکھنے سے ایک دوسرے کی مدد کرنے، رحم دلی اور ہمدردی کے جذبات بیدار ہوتے ہیں۔روزہ رکھ کر ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بھوک پیاس اور فاقہ میں کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس وقت روزہ دار کو اپنے آس پاس کے غریب اور حاجت مند بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور ان کی تکلیف دور کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاة

''اور یہ (رمضان کا مہینہ) ہمدردی کا مہینہ ہے''

روزے کا اثر انسان کی صلاحیت کار پر

کچھ لوگ جو مغرب کے مادّہ پرستانہ فلسفۂ زندگی سے متاثر ہیں وہ روزے کے خلاف یہ اعتراض اُٹھاتے ہیں کہ اس سے انسان کی صلاحیت کار اور اس کی قوتِ کارکردگی بہت کم ہوجاتی ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اعتراض کرنے والے دو بنیادی حقیقتیں نظر انداز کر دیتے ہیں:-

1۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں انسان کی جو کچھ قدر و قیمت ہے وہ محض اس کے مادّی وجود کی ہے۔اس کے روحانی وجود کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ایک فربہ بیل زیادہ ہل چلاسکتا ہے اسی طرح ایک آسودہ اور پیٹ بھرا آدمی

زیادہ کام کرسکتا ہے۔

انسان اگر صرف گوشت پوست کا مجموعہ ہے تب تو بلاشبہ ان معترضین کے اعتراض کے اندر کچھ وزن ہے لیکن اگر انسان کے اندر 'روح' نامی کوئی شے بھی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی تازگی و توانائی کے لیے بھی کوئی غذا اور تدبیر ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کیا یہی دودھ مکھن، جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے، اس کے لیے بھی کافی ہیں یا اس کے لیے کسی اور تدبیر و غذا کی ضرورت ہے؟ مذہب اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ انسان کے اندر روح کا جوہر ارضی اور مادی نہیں بلکہ آسمانی اور خدائی ہے اس وجہ سے اس کی غذا اس زمین سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تعلق اور اس کے کلام و الہام سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور قوی تر اس وقت ہوتا ہے جب یہ جسم کے تقاضوں، اس کی خواہشات اور اس کے جذبات و میلانات سے فی الجملہ آزاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ انہی سفلی پابندیوں میں گرفتار رہتی ہے اس وقت تک یہ ان بلندیوں میں پرواز نہیں کرسکتی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کی اصل جولان گاہ ہیں اور جن میں پرواز کرنے ہی سے اس کے وہ شاہینی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں۔

روزہ روح کو یہ آزادی دلانے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ اس سے انسان کے نفس کی تربیت ہوتی ہے اس کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ روح پر خواہشات و شہوات کا غلبہ کمزور ہو جاتا ہے، انسان کی قوتِ ضبط اور اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے اور اس طرح اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خواہشوں کے پیچھے پیچھے چلے وہ ایک صاحب عزم و ایمان کی طرح اپنی خواہشات و جذبات کو اپنے ربّ کی رضا اور اس کے احکام کے پیچھے لگا دیتا ہے۔

غور کیجیے تو یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگی کہ انسان کے اندر قوت اور طاقت کا خزانہ اس کے جسم کے اندر نہیں بلکہ اس کے دل اور اس کی روح کے اندر ہے۔ اگر دل کمزور اور روح پراگندہ ہو تو نہایت راحت و تنعّم میں پلے ہوئے جسم والوں کے خوف اور بزدلی کا حال یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی خطرہ نمودار ہو، ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں

کہ ہونہ ہو یہ بجلی ہمارے ہی خرمن پر گرنے والی ہے۔ برعکس اس کے، جن کی روح بیدار، جن دل پرعزم اور جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ نانِ جویں پر گزارہ کر کے بھی بازوئے حیدر کے کارنامے دکھاتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے اشارہ فرمایا ہے: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ''کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں''۔

2۔ دوسری حقیقت جس سے یہ معترضین غفلت برت رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے وقتی اثرات و نتائج سے نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ اس مستقل اور پائیدار اثر سے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے جو زندگی پر اس کا پڑتا ہے یا متوقع ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح طور پر اس کو برتا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دوا تقویت قلب و دماغ کے لیے نہایت مفید و مجرب ہو، اس کے اثرات نہایت پائیدار مترتب ہوتے ہیں، لیکن فوری طور پر اس کا ردّعمل سستی یا اعضا شکنی یا غنودگی کی صورت میں نمایاں ہوتا ہو، ظاہر ہے کہ اس دوا کے اس فوری اثر کو دلیل قرار دے کر اس کو ایک مضر یا بے قیمت دوا قرار دے دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

ٹھیک یہی حال روزے کا ہے، اس کا فوری اثر (خاص طور پر خام اور نومشق لوگوں پر) تو ضرور کسل اور اضمحلال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس سے وقتی طور پر ان کی صلاحیت کار بھی متاثر ہوتی ہے لیکن دیکھنے کی چیز اس کا یہ وقتی اثر نہیں ہے بلکہ وہ پائیدار اثر ہے جو انسان کے ظاہر و باطن پر (بشرطیکہ اس کو ٹھیک ٹھیک برتا جائے) مترتب ہوتا ہے۔

روزہ جو انسانوں کی ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے تجویز کیا گیا ہے اس سے مقصود انسان کی صلاحیت کار کو کمزور کرنا نہیں بلکہ اس صلاحیت کار کو صبر اور تقویٰ کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ مستحکم کر دینا ہے۔ تاکہ انسان حق کی مخالف طاقتوں کے مقابلے میں، خواہ وہ طاقتیں شیطانی ہوں یا انسانی، جہاد کا اہل ہو سکے۔ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں روزے کے دو بنیادی مقصد بیان کیے گئے ہیں: تقویٰ اور صبر۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر قسم کے حالات میں اپنے نفس کو حدودِ الٰہی کا پابند رکھے۔ صبر یہ ہے کہ اس راہ میں خارج سے یا اس کے اپنے باطن سے جو مشکلات و موانع بھی سر اُٹھائیں ان کا پورے عزم و جزم کے ساتھ

مقابلہ کرے اور ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالے۔ یہ جہاد زندگی بھر کا جہاد ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ہر مسلمان اسی جہاد کی ٹریننگ حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا امکان ہے کہ نئے نئے بھرتی ہونے والوں پر اس ٹریننگ کا فوری اثر اضمحلال اور کمزوری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو لیکن دیکھنے کی چیز یہ فوری اثر نہیں بلکہ اس کا مستقل اثر ہے۔ اس کا مستقل اثر یقیناً، اس کو صحیح طور پر برتنے کی شکل میں یہی ہونا چاہیے کہ انسان میں ہمت بڑھ جائے، اس کی روح قوی ہو، اس کا دل توانا ہو، اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو، اس کی قوت برداشت بڑھ جائے، وہ جہادِ زندگانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پوری طرح تیار ہو جائے۔ (از تدبر قرآن، ملخّصًا)

روزہ اور قرآن...... قیامت کے دن سفارش کریں گے

روزے کی عبادت کا ایک بڑا فائدہ جو قیامت کے فیصلہ کن دن میں ظاہر ہوگا، یہ ہے کہ روزہ روزے دار کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرے گا اور اس کی سفارش اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ یہ روزہ داروں کے لیے انتہائی خوش نصیبی کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ وَ الْقُرآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِيهِ وَ يَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِيهِ فَيُشَفَّعَانِ۔ (بیہقی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا)''

مطلوبہ ثمرات کا حصول

روزے کے مطلوبہ ثمرات کا حصول اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ روزہ رکھ کر آدمی نہ صرف کھانا پینا چھوڑے بلکہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کی ہر قسم کے گناہوں سے حفاظت کرے۔ بیہودہ گوئی، جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، جھوٹی قسم اور لڑائی جھگڑے سے بچتا رہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ العَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ (بخاری، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا اور پینا چھوڑے کی کوئی حاجت نہیں۔''

یعنی روزے سے مقصود محض بھوکا پیاسا رہنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے خواہشات کو کم کرنا اور نفس کی تربیت مقصود ہے جس روزہ سے یہ مقصد حاصل نہ ہو ایسا روزہ اللہ کے مقبول نہیں ہوتا اور آدمی ذرا سی لذت کے لیے صبح سے شام تک کی مشقت کو ضائع کر دیتا ہے۔ لہٰذا روزہ دار کو چاہیے کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے جب فرصت ملے عبادت، نماز، ذکر، تلاوت، دعا، مطالعہ اور دین سیکھنے سکھانے میں مشغول ہو جائے۔ اسی صورت میں روزہ کے مطلوبہ ثمرات کا حصول ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس ماہِ مقدس رمضان سے پوری طرح مستفید ہو کر ساری زندگی اپنی رضا کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اشیائے صرف میں سور کی چربی کا استعمال

محمد فاروق قریشی

(ماخوذاز ماہنامہ خطیب لاہور، جون 2013ء)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بنیادی وجہ قارئین کے علم میں یقیناً ہوگی۔ اس وقت استعمال ہونے والی بندوقوں کے کارتوس انگلستان سے بن کر آتے تھے مگر مسئلہ یہ تھا کہ سمندری جہازوں سے آنے والے یہ کارتوس مہینوں سفر کے دوران سمندر کی مرطوب وکھاری ہوا کے باعث ناکارہ ہو جاتے تھے۔ لہٰذا گوروں نے اس کا حل یہ نکالا کہ سور کی چربی چڑھا کر اسے محفوظ کر لیا جائے جسے استعمال سے قبل دانتوں سے کاٹ کر اتارنا ہوتا تھا چنانچہ جوں ہی یہ علم میں آیا تو مسلمان اور دیگر مذاہب کے سبزی خور سپاہیوں نے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور یہ انکار بالآخر انگریزوں کے خلاف بغاوت اور جنگ آزادی پر منتج ہوا۔

تمام مغربی ممالک یورپ و امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک میں گوشت کی ضروریات بنیادی طور پر سور سے پوری کی جاتی ہیں اسی وجہ سے ان ممالک میں ان کی افزائش نسل کے فارم کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ دیگر جانوروں کی نسبت سور کے جسم میں چربی کی مقدار انتہائی زیادہ ہوتی ہے جبکہ یورپی اور امریکی زیادہ چکنائی سے پرہیز کے باعث اس چربی کو استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ غیر استعمال شدہ چربی جاتی کہاں ہے؟ بڑے عرصے تک ان ممالک کے لئے یہ ایک دردِ سر بنا رہا کہ اس فاضل چربی کو کیسے ٹھکانے لگایا جائے ابتداء

میں اسے جلا دیا جاتا تھا پھر اس کے صنعتی استعمال کے راستے تلاش کیے گئے چنانچہ سب سے پہلے اس سے صابن بنانے کا تجربہ کیا گیا جو کامیاب رہا۔مزید براں دیگر اشیاء میں بھی اس کے استعمال کے راستے پیدا ہونے لگے لہٰذا اسے کیمیائی طریقے سے کاروباری سطح پر پیک کر کے بیچا جانے لگا۔

اسی دوران مغربی ممالک میں یہ قانون بن گیا کہ تمام اشیائے صرف خصوصاً خوراک، ادویات اور شخصی نگہداشت و آرائش پر ان کے اجزاء ترکیبی تحریر کیے جائیں چنانچہ جن اشیاء میں چربی استعمال ہوتی تھی ان کی بیرونی پیکنگ پر سور کی چربی "PIG FAT" لکھا جانے لگا۔اب مسئلہ یہ آن کھڑا ہوا کہ مسلمان ممالک نے ایسی تمام مصنوعات پر پابندی لگا دی جس میں سور کی چربی بطور جز استعمال کی گئی ہو۔ یہ پابندی شدید کاروباری نقصان کا باعث بن رہی تھی چنانچہ گورے نے اس کا یہ حل نکالا کہ سور کی چربی کے بجائے حیوانی چربی "ANIMAL FAT" لکھنا شروع کر دیا جب اسلامی ممالک کے مقتدر ادارے اور صارفین یہ سوال کرتے کہ یہ کس جانور کی چربی ہے انہیں بتایا جاتا کہ گائے اور بھیڑ کی چربی ہے مگر اب مسئلہ یہ آن کھڑا ہوا کہ اگر یہ گائے یا بھیڑ کی چربی ہی ہے تو انہیں اسلامی شرعی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا گیا لہٰذا حرام ہونے کی بنا پر ان مصنوعات پر پھر پابندی لگا دی گئی۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں جو کھربوں ڈالر منافع اسلامی ممالک سے کما رہی تھیں اس صورت حال سے سخت پریشان تھیں بالآخر انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ اجزاء کے اصل نام کے بجائے خفیہ کوڈ کا اندراج کیا جائے جو کہ صرف مصنوعات تیار کرنے والے ادارے اور متعلقہ سرکاری محکموں کے علم میں ہو کہ وہ کیا اجزاء استعمال کر رہے ہیں جبکہ صارف اور استعمال کنندہ کو مکمل تاریکی میں رکھا جائے۔ چنانچہ E-CODES کا استعمال شروع کیا گیا اور سادہ مسلمان لاعلمی میں جوش و خروش سے ان اشیاء کو استعمال کر کے معیارِ زندگی بلند کرنے لگا۔

سور کی چربی کا استعمال بالعموم مندرجہ ذیل اشیاء میں ہوتا ہے:

.......پکے پکائے کھانے، بیکری کا سامان، بریڈ سپریڈ، پکانے والے روغنیات

.......مصنوعی مکھن، آئس کریم

......کاسمٹکس، لپ سٹک، آئی لائینر، لپ گلوس

......پرسنل کیئر پراڈکٹس مثلاً صابن، ٹوتھ پیسٹ، کریم، لوشن، شیمپو، شیونگ کریم

......ادویات بالخصوص OINTMENTS

......چیونگم، چاکلیٹ، ٹافی، کارن فلیکس، پاپ کارن وغیرہ

غیرملکی اشیاء خریدتے وقت ان پر درج اجزاء ترکیبی ضرور دیکھئے۔ سور کے گوشت کے لئے BACON, HAMS, PORK اور GAMMON چربی کے لئے LARD اور بالوں کے لئے BRISTLE کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اگر مندرجہ ذیل کوڈ میں سے کوئی درج ہو تو استعمال سے احتراز کیجئے کیونکہ اس میں سور کی چربی شامل ہے۔

E 100 E 110 E 120 E 140 E 141 E 153 E 470 E 471

E 472 E 210 E 214 E 216 E 234 E 252 E 270 E 480

E 473 E 474 E 325 E 326 E 327 E 334 E 335 E 336

E 337 E 475 E 476 E 422 E 430 E 431 E 432 E 433

E 434 E 435 E 436 E 440 E 477 E 478 E 481 E 482

E 483 E 491 E 492 E 493 E 494 E 495 E 542 E 570

E 572 E 631 E 635 E 904

ہمارا فرض ہے کہ ایسی اشیاء اگر کسی سٹور پر پائی جائیں تو نہ صرف خریدنے سے احتراز کیا جائے بلکہ فروخت کنندہ کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرائی جائے۔ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ صرف ''حلال'' سرٹیفکیٹ رکھنے والی اشیاء کے امپورٹ کی اجازت دے۔ کاروباری امپورٹر حضرات کا بھی فرض ہے کہ وہ حلال سرٹیفکیٹ رکھنے والی مصنوعات ہی درآمد کریں۔

(مضمون کی تیاری میں انٹرنیٹ کی معلومات سے مدد لی گئی ہے)

مدیر کے نام

1۔ قاضی محمد ظفر الحق، واہ کینٹ

عرصہ دراز سے یہ خواہش سینہ میں دبائے کہ آپ کے حسبِ ارشاد کوئی طالب علمانہ سا مضمون اس نابغۂ عصر رسالہ 'حکمت بالغہ' کی اشاعت میں شامل کرنے کو کسی وقت سپرد قلم کروں گا، کارزارِ حیات کی معرکہ ارائیوں میں مصروف تھا۔ اس درمیان میں میری گہری دلچسپی کے خصوصی مضامین پر مشتمل خصوصی ماہنامہ جات بعنوان ''یاجوج ماجوج'' اور ''جنوبی ایشیاء میں مسلم بیداری کے سو سال'' بھی منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوئے، تاہم اشہبِ قلم زین ولگام کس کر ایڑ کے انتظار میں رہ گیا اور وقت کی بگھی دیگر عوامل وحوادث کے جیادِ سرکش سے بندھی کہیں سے کہیں نکل گئی۔ اب عجیب محسوس ہوتا ہے کہ اتنے طویل وقفہ کے بعد اتنی عمدہ محنت کی داد و ستائش میں کچھ عرض کروں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک فاتح فوج کا استقبال کرنے کی تیاری اس کے گھروں میں لوٹ آنے کے بعد شروع کی جائے۔ البتہ کسی دانا نے میری مشکل یہ کہہ کر پہلے سے حل کر رکھی ہے کہ ''دیر آید درست آید''۔ چنانچہ آج جب آپ سے بزبانِ قلم ہم کلام ہونے بیٹھا تو سوچا کہ لگے ہاتھوں پرانے قرض بھی چکا دوں اور اتنے عمدہ معیار کے رسالہ اور نفیس مضامین کی ماہانہ اشاعت کا گراں فریضہ آپ جس جانفشانی اور مہارت اور کمال سے نبھا رہے ہیں، اس کی برسوں سے رکی ہوئی داد و آفرین بھی بحکم ربانی ''ان تؤدوا الامانات الی اھلھا'' آپ کی نذر کر دی جائے۔

سوا اپنی علمی بے مائیگی، عقلی ناپختگی، شعوری کمزوری اور سب سے بڑھ کر فطری نااہلی

کے باوصف آپ کے رسالہ کی کتابت، کاغذ، سرورق کی خوبصورتی اور سب سے بڑھ کر اچھوتے نام اور منفرد مضامین کی تعریف کرنے کو میں اپنا ذاتی استحقاق سمجھتا ہوں، اس لیے کہ حسن کسی بھی نوعیت کا ہو اس کی داد ہر اعلیٰ و ادنیٰ کی طرف سے ہمیشہ جائز و محمود سمجھی گئی ہے اور کسی نے یہ اعتراض نہیں اُٹھایا کہ کمتر کے تعریف کرنے سے برتر کی قدر کم ہوتی ہے۔

اب اس خاص بات کی طرف آتے ہیں جو آپ نے پچھلے ہفتہ فون پر حکم دیتے ہوئے فروری 2013ء کے رسالہ میں دیکھنے کے لیے کہی تھی۔

ختم نبوت کے عظیم و ناگزیر عقیدۂ اسلام پر آپ نے جس دِقت نظر اور وسعت علم و فکر کا مظاہرہ فرمایا ہے بلاشبہ یہ آپ کے منصب عالی کے عین مطابق اور حضرت ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ صحبت کا نفیس اثر ہے۔ اس سلسلہ میں ''ختم نبوت کے تین اہم پہلو'' کے ذیلی عنوان کی جن اقسام کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے وہ آپ کے حق میں باقی مضمون کی تشرح کے ساتھ انشاء اللہ ذخیرۂ آخرت میں گراں قدر اضافہ کا باعث بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی اور سب اہل ایمان کی آخرت کے لئے کی گئی مساعی کو قبول و محفوظ فرمائے۔ آمین۔

اس مضمون میں آپ نے خاکسار کے نزدیک ایک منفرد رائے کا بھی اظہار فرمایا ہے اور وہ ملخصاً یہ ہے کہ اعلان ختم نبوت سے پہلے کوئی جھوٹا نبی دنیا میں نہیں آیا اور اعلان ختم نبوت کے بعد بھی جھوٹے دعویداران نبوت صرف اُمت مسلمہ میں ہی نمودار ہوئے ہیں اور یہود و نصاریٰ میں جھوٹی نبوت کے دعویدار پیدا نہیں ہوئے۔ یہ مضمون رسالہ کے صفحہ 27 سے صفحہ 32 تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے اس بارے میں بصد احترام تأمل ہے۔

آسانی کی خاطر ہم اس مقدمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں، ایک حصہ اس کا تاریخی معلومات سے تعلق رکھتا ہے جو عاجز نے مذکورہ بالا خلاصہ کے آخر میں درج کیا ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو ہمارے عقیدہ و ایمان پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(ا) جہاں تک پہلے حصہ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں صرف یہ عرض ہے کہ قرآن حکیم سے پہلے کی مذہبی تعلیمات و تاریخ کے جاننے کے ذرائع یعنی تالمود، بائبل، اوستا اور پُران یا وید ہی اس موضوع پر میسر مواد مہیا کرتے ہیں اور ان میں جھوٹی نبوتوں کا ذکر مسلسل پایا جاتا ہے۔ اس لئے

موجود تاریخی مواد تو سچی اور جھوٹی دونوں طرح کی نبوتوں کا ذکر کرتا ہے۔

(ب) بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں یہود و نصاریٰ کی بعد از ختم نبوت تاریخ میں مسیحیت (ان کی اصطلاع میں مسیح بمعنی نبی ہوتا ہے) کے دعویدار پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ابھی ماضی قریب میں امریکہ کے اندر ڈیوڈ نام کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حکومتی ایجنسیوں سے لڑتے ہوئے مارا بھی گیا تھا۔ بہرحال یہ موضوع اِدّعا کا نہیں ایک تاریخی تحقیق تجزیہ اور تحلیل علمی وفکری کا ہے اور عاجز کے پاس وقت اور وسائل کی نایابی ہی سرمایہ بنی ہوئی ہے۔

(ج) قومِ یہود میں دجال کی آمد پر اور اس کے اصلاح، نبوت اور خدائی کے دعوے کرنے پر، تمام اہل سنت اور اہل تشیع کا اجماع ہے۔

ان موضوع کے اصل اور اہم اور حساس ترین حصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا یہ فرمانا کہ بنی اسرائیل چونکہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور اُن کے قتل کے عادی تھے اس لئے وہ ہر سچے نبی کو جھوٹا قرار دے کر مار ڈالتے تھے اور جواز میں اس کے جھوٹا ہونے کو ثابت کرتے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل سچے انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے اور اُن کے قتل کی سازش یا ارتکاب عادتاً کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس جرم پر انہیں جابجا غضب اور لعنت کی سزا سنائی ہے۔ تاریخ نبی اسرائیل کو بائبل اور تالمود کی مدد سے نکھارنے کی کوشش کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سچے انبیاء علیہم السلام کے قتل اور اُن کی تکذیب کے لئے اکثر جھوٹے نبیوں کی نبوت کا ہی سہارا لیا جاتا تھا۔

یہ ماننا کہ بنی اسرائیل گاہے سچے نبیوں کی تکذیب کرتے اور گاہے انہیں قتل کر دیتے تھے ایک مثبت بیان ہے جس کی قرآن وحدیث سے بآسانی تصدیق ہو جاتی ہے جبکہ یہ کہنا کہ بنی اسرائیل میں کبھی، بلکہ صفحہ 30 کے دوسرے پیرا گراف کے مطابق آدمؑ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی جھوٹا نبی نہیں آیا، ایک خوفناک قسم کا منفی دعویٰ ہے اور نفی کُلّی کے لئے تو محیط کُل علم یا اس علم کے حامل (عالم الغیب والشہادۃ) کا صاف لفظوں میں بیان درکار ہے جو یقیناً قرآن میں نظر نہیں آتا۔ ایمان وعقیدہ کو اس سے جس نقصان کا اندیشہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر بائبل اور تالمود اور دیگر مذہبی ذرائع سے میسر جھوٹی نبوتوں کے ملزمان کے بارے میں معلومات میں سے بعض درست ہوئیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت سے پہلے بھی نبوت کے جھوٹے دعویدار آتے رہے ہوں تو آپ کی

طرف ان سب کی تصدیق آپ کو کہاں لے جائے گی۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کے عطا کردہ اس عقیدہ تک محدود رہیں کہ بنی اسرائیل سچے انبیاء میں سے بعض کو جھٹلاتے اور بعض کو قتل کرتے رہے اور یہ کہنے سے بچیں کہ ہر وہ شخص جسے بنی اسرائیل نے قتل کیا وہ ضرور ہی سچا نبی تھا یا یہ کہ آنحضور ﷺ سے پہلے جو اُمتیں اور قومیں گزر گئیں ان میں کوئی جھوٹا نبی نہیں آیا تھا۔ایسا نہ ہو کہ ہم جھوٹوں کو بھی سچا قرار دینے کے مجرم قرار پائیں۔ھٰذا ما عندی والعلم عنداللہ العظیم

قابل احترام قاضی ظفر الحق صاحب کی طرف سے اُٹھائے گئے سوالات کا جواب ان شاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں شائع ہوگا۔قارئین حکمت بالغہ میں سے جو صاحب علم اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہیں تو حکمت بالغہ کے صفحات اس کے لئے حاضر ہیں۔(ادارہ)

2۔**پروفیسر محمد الیاس اعظمی**، چیئرمین اسلامی تحقیقاتی لائبریری کوٹ اعظم، قصور

آپ کی زیر ادارت نکلنے والا مؤقر جریدہ ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' گزشتہ کچھ عرصہ سے ہماری لائبریری میں اعزازی طور پر آرہا ہے۔جس پر راقم آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہے کہ آپ کی اس علمی نوازش سے لائبریری سے وابستہ اہل علم و دانش اور طلباء کو مختلف النوع موضوعات پر علمی، فکری اور تحقیقی مواد مطالعہ کرنے کو ملتا ہے۔

ایک دو مرتبہ ٹیلی فون پر بھی راقم آپ کی قلمی کاوشوں، فکری تحریروں اور علمی نگارشات پر کلماتِ تحسین پیش کر چکا ہے۔مگر آج دل چاہا کہ قلمی طور پر بھی جناب کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا جائے اس لئے اپنے قلبی احساسات کو لفظی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

1۔ ''یاجوج وماجوج'' کا خصوصی شمارہ آپ کی فکری ہمہ گیری کا آئینہ اور ملت اسلامیہ کے لئے مستقبل کو محفوظ کرنے کا ایک منصوبہ بھی لئے ہوئے۔

2۔ ''مسلم بیداری کے 100 سال'' آج کے نوجوانوں کی آنکھیں کھولنے کی ایک مفید اور دردمندانہ سعی ہے۔

3۔ ''صہیونیت کا انجام'' آپ کا مضمون ایک خاصے کی چیز ہے جس کا مطالعہ کرنا ملت اسلامیہ کے درد رکھنے والے ہر فرد کے لئے نہ صرف معلومات میں اضافہ کا سبب بنے گا بلکہ ملت کے اس عالمی وقدیم دشمن کی چالبازیوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر میں بھی معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

فروری کے شمارہ میں ''ختم نبوت ﷺ'' کے موضوع پر آپ کا مضمون آپ کی علمی وفکری صلاحیتوں کا زندہ ثبوت ہے۔ جس کو پڑھ کر ثابت ہوتا ہے کہ مبدأ فیض نے آپ کو علم کے باب میں گونا گوں صفات سے نواز رکھا ہے اور آپ توفیق ایزدی سے ان صلاحیتوں کو بروئے کار بھی لارہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ میں ذاتی طور پر ہر ماہ حکمت بالغہ کا بڑی شدت سے انتظار کرتا ہوں اور وصول ہونے پر آپ کی تحریرات کو بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ کی یہ تحریریں سوئی ملت اسلامی کی بیداری میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ جس کے مطالعہ سے قاری کے اندر عمل کی نئی لہر پیدا ہوتی ہے۔ زیر نظر تازہ شمارہ اپریل 2013ء میں ''یورپ پر اسلام کے احسانات''، ''سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوشش'' اور مولانا ظفر احمد عثمانی کا مضمون ''ولادت نبویہ ﷺ، سیف بن ذی یزن کی شہادت'' کا مضمون بڑے خاصے کی چیزیں ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے کہ معلومات افزا بھی ہیں اور فکر افروز بھی۔ امید ہے کہ حکمت بالغہ کی آئندہ خصوصی اشاعت ''الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ'' بھی علمی، فکری، تحقیقی اور عشقی کرنوں کے ساتھ امتیازی حیثیات کی حامل ہوگی۔ ہمیں اس کا شدت کے ساتھ انتظار رہے گا۔

3۔ احسان الودود مرکز تنظیم اسلامی (تمرگرہ) ضلع دیر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مع اہل بیت واہل کار اپنی سلامتی میں رکھے اور ماہنامہ حکمت بالغہ کی شکل میں جو علمی، فکری اور روحانی انقلاب کی کوشش شروع کی ہے اس کا اجر عظیم ملے اور اُمت کی بیداری کا سبب بنے۔ ہر شمارہ پچھلے شمارہ سے زیادہ معلوماتی اور دلچسپ ہوتا ہے میری کوشش ہوتی ہے کہ اس کو تعلیم یافتہ سنجیدہ افراد تک پہنچاؤں۔ اگر کچھ حصہ انگلش مضامین کے لئے مختص کر کے بیرون ملک خاص کر یورپ اور امریکہ ترسیل کا انتظام ہو جائے تو صحیح طرز فکر اور حقیقت ان کے سامنے آئے۔ پاکستان میں بھی کافی لوگوں کو اس رسالے کے بارے میں معلومات نہیں ہیں تنظیم کے ہفت روزہ ندائے خلافت اور ماہنامہ میثاق میں اس کے اشتہار کا بندوبست ہو جائے تو وسیع حلقہ میں اس کے پڑھنے والے مل جائیں گے۔ اللہ آپ کی محنت وکوشش کو قبول فرما کر اپنی رضا سے نوازے اور حکمت بالغہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت (ستمبر 2012ء)

یاجوج ماجوج نمبر
پر ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کا تبصرہ

دنیا کا مستقبل کیا ہوگا؟ آنے والے دنوں میں کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی؟ حق وباطل کے معرکے اور عالمی اسلامی حکومت کے قیام کے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے دنیا کی سب سے بڑی جنگ (ARMAGEDDON) اور یاجوج ماجوج پر علمی و تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ یاجوج ماجوج کے موضوع پر قرآن مجید وحدیث کے علاوہ دیگر مذاہب میں تذکرے اور جدید تحقیقات ایک مختلف انداز میں سامنے لائی گئی ہیں۔ 'روئے ارضی پر نسل انسانی کا پھیلاؤ' باب کے تحت 600 قبل مسیح سے تا حال انسانی تہذیب کا ارتقاء اور اہم تاریخی مراحل کا جائزہ اور یاجوج ماجوج کی تباہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مؤلف کے نزدیک موجودہ مغربی تہذیب یاجوج ماجوج کے لشکروں ہی کا دوسرا نام ہے۔ مغربی تہذیب کا بے لباسی اور عریانیت کی انتہا پر پہنچنا اور انسانیت کا حیوانیت کی سطح تک گر جانا درحقیقت آخری معرکے اور عالمی اسلامی نظام حکومت کے قیام کے مرحلے کا نزدیک آجانا ہے۔ اس اشاعت خاص کا مقصد مستقبل قریب میں آنے والے حالات وواقعات کو سمجھنا ہے تاکہ اسلام کی سر بلندی کے لئے جاری جدوجہد ایک نئے عزم اور ولولے سے کی جاسکے۔

(امجد عباسی)

رمضان المبارک کی آمد پر

رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اٰخِرَ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يَااَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَ قِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعاً مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِماً كَانَ لَهُ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے اس مبارک مہینے میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے اور اس کی راتوں میں کھڑے ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مؤمن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِماً عَلٰى مَذْقَةٍ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِماً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شُرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر ایک کو روزے دار کو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کا روزہ افطار کروادے۔اور جو کوئی کسی روزے دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے اور اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے۔اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام کے کام میں تخفیف کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے آزادی دے گا۔ (ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث،مولانا محمد منظور نعمانی)

نیا چاند دیکھنے کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو یہ دُعا کرتے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِيْمَانِ، وَ السَّلَامَةِ وَ الْاِسْلَامِ، وَ التَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى، رَبُّنَا وَ رَبُّكَ اللّٰهُ

اللہ اکبر۔اے اللہ! یہ چاند (یا مہینہ) ہم پر آئے امن،ایمان،سلامتی،اسلام اور تیری خوشنودی اور رضا کے کاموں کی توفیق لے کر۔(اے چاند) ہمارا رب اور تیرا رب،اللہ ہے۔(الدعوات الکبیر)

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان

سے پہلے وفات پا جانے والی

21 اسلامی انقلابی شخصیات

پر مئی 2006ء سے مارچ 2008ء تک قرآن اکیڈمی جھنگ میں ماہانہ سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں۔ بعد ازاں حکمت بالغہ میں جون 2008ء نومبر 2010ء تک ان سیمیناروں کی تفصیلی روداد شائع ہوتی رہی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب یہ کتابی شکل میں

حصہ اوّل   حصہ دوم   حصہ سوم

تین حصوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

120 روپے

130 روپے

120 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیر انتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861

علوم قرآن کے شائقین کے لیے خوش خبری

رمضان المبارک کے دوران

2013ء-1434ھ

ترجمة القرآن کے 2 پروگرام ان شاء اللہ

1۔جامع مسجد عبیداللہ (گنبدوں والی) محلّہ سلطان والا جھنگ صدر

(تراویح کے بعد قرآن مجید کا ترجمہ)

2۔قرآن اکیڈمی جھنگ، لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

(تراویح کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ)